بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ماہانہ ترجمان

الفرقان

جلد ۴ نمبر ۲-۳

فروری، مارچ سنہ ۱۹۵۴ء

چندہ سالانہ پانچ روپے

قیمت فی پرچہ آٹھ آنے

ایڈیٹر
ابو العطاء جالندھری

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہٖ پر قاتلانہ حملہ!

الحمدللہ کہ خدا تعالیٰ نے حضرت "فضل عمر" کی جان بچالی!!

مؤرخہ ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء بروز بدھ قریباً پونے چار بجے مسجد مبارک ربوہ میں نماز عصر پڑھا کر ہمارے امام ہمام حضرت امیرالمومنین میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ بنصرہ واپس تشریف لیجا رہے تھے کہ محراب کے دروازہ پر اچانک ایک اجنبی نوجوان نے پیچھے سے جھپٹ کر آپ پر چاقو سے حملہ کر دیا۔ چاقو کا یہ وار حضور ایدہ اللہ بنصرہ کی گردن پر شہ رگ کے قریب دائیں طرف پڑا جس سے گہرا گھاؤ پڑ گیا حملہ آور نے دوسرا وار بھی کیا مگر محمد اقبال صاحب محافظ کے درمیان میں آجانے کے باعث اس مرتبہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ کی بجائے چاقو اُسے جا لگا اور وہ زخمی ہو گیا۔ نمازیوں نے حملہ آور کو پکڑنے کی کوشش کی اور کافی جدوجہد کے بعد اُسے قابو میں لایا گیا اور اس کوشش میں بعض دوسرے دوست بھی زخمی ہوئے۔ پولیس اطلاع ملنے پر فوراً موقع پر پہنچ گئی اور حملہ آور گرفتار کر لیا گیا۔ وہ ابھی تک پولیس کی حراست میں ہے اور تحقیقات جاری ہے۔ ہنوز اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ ملزم نے اپنا نام عبدالحمید ولد منصبدار بتایا ہے اور اپنی موجودہ سکونت چک ۲۲۲ ضلع لائلپور بتائی ہے اور سابقہ وطن بھال پور ضلع جالندھر ظاہر کیا ہے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ اَطَالَ اللّٰہُ بَقَاءَہٗ وَ اَطْلَعَ شُمُوْسَ طَالِعِہٖ زخم لگنے کے فوراً بعد بہتے خون کے ساتھ چند احباب کے سہارے سے اپنے مکان میں تشریف لے گئے۔ خون کو ہاتھ سے روکنے کی پوری کوشش کے باوجود تمام راستے میں اور سیڑھیوں پر خون مسلسل بہتا گیا جس سے حضور کے تمام کپڑے، کوٹ، مفلر، سویٹر، قمیص، دو بنیانیں اور سلوار خون سے تر بتر ہو گئے۔ حضور کے ساتھ چلنے والے بعض خدام کے کپڑوں پر بھی مظلوم امام کے مقدس خون کے قطرات گرے (خاکسار ابو العطاء کے کوٹ، پاجامہ اور پگڑی پر بھی اس پاک خون کے قطرات پڑے ہیں) مکان پر پہنچ کر ابتدائی مرہم پٹی جناب ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب ایم بی بی ایس اور جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے کی۔ اور زخم کو صاف کر کے اور ٹانکے لگا کر سی دیا۔ ابتدا میں یہ خیال تھا کہ زخم پون انچ گہرا اور تین انچ چوڑا ہے لیکن جب رات کو لاہور سے مشہور سرجن جناب ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب تشریف لائے اور انہوں نے زخم کی حالت دیکھ کر ضروری سمجھا کہ ٹانکے کھول کر پوری طرح معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوا کہ زخم بہت زیادہ خطرناک اور سوا دو انچ گہرا اور شاہ رگ کے بالکل قریب تک پہنچا ہوا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی خداداد مہارت سے کام لیکر قریباً سوا گھنٹہ لگا کر زخم کا اپریشن کیا اور اندر کی شریانوں کا منہ بند کر کے باہر ٹانکے لگا دیئے۔

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے اپنے خاص فضل سے ہمارے محبوب مقدس امام ایدہ اللہ بنصرہ کو اس خطرناک حملہ سے بال بال بچا لیا اور ہمیں اپنی قدرت اور صفت احیاء کا ایک اور نظارہ دکھایا ہے۔ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ۔

اس تمام عرصہ میں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ باہوش تھے اور آپ کی زبان پر تسبیح و تحمید جاری تھی۔ آپ نے حملہ ہونے کے فوراً بعد مسجد سے نکلتے ہی ہدایت فرمائی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ـــــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

جلد ۴ | الفرقان بابت ماہ فروری مارچ ۱۹۵۴ء | نمبر ۲-۳

فہرست مضامین

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

شذرات

ایڈیٹر کے ضروری نوٹ

رسالہ طلوعِ اسلام کے "تبصرہ" پر ہمارا جواب

کراچی سے منکرینِ حدیثِ نبوی کا ایک رسالہ "طلوعِ اسلام" جاری ہے۔ عام طور پر اس رسالہ کے مقالات احادیثِ نبویہ کی تضحیک و تردید کیلئے وقف رہتے ہیں جن کے خلاف مسلمان جرائد و رسائل بارہا احتجاج کر چکے ہیں گزشتہ سال جب احمدیت کے خلاف ایک طوفانِ بے تمیزی برپا تھا تو "طلوعِ اسلام" کے ایڈیٹر صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اکتوبر ۱۹۵۶ء کے رسالہ میں اعلان کر دیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ طلوعِ اسلام نے قادیانیت کے متعلق کچھ نہیں لکھا" اس "الزام" کو دور کرنے کیلئے جناب ایڈیٹر صاحب طلوعِ اسلام نے یہ طریق اختیار فرمایا کہ اپنے مخصوص اندازِ تحریر کا رُخ جماعت احمدیہ کی طرف پھیر دیا۔ اس سلسلہ میں آپنے جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ایک پمفلٹ مضمون "ایک عزیز کے نام خط" پر "تبصرہ" بھی فرمایا۔ گو اس مقالہ میں بھی آپ کا اسلوب نگارش عمومی انداز سے مختلف نہ تھا لیکن تاہم اس مضمون میں آپ نے ختم نبوت کے نام سے تشریعی اور غیر تشریعی نبوت، ظلّی نبوت کی حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے نبی بننے کا امتیاز، قرآن مجید کی باطنی حفاظت، قرآن مجید میں مسیح موعود کے آنے کے وعدہ کا ذکر نہ کئے جانے کے بارے میں پانچ استفسارات بھی شائع فرمائے۔

ہمارے لئے یہی مناسب تھا کہ ہم جناب مدیر طلوعِ اسلام کے استہزائیہ حصہ کو نظر انداز کر کے ان سوالات کا اصولی جواب دیں اور چونکہ طلوعِ اسلام احادیثِ نبویہ کا سراسر منکر ہے اسلئے ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے جوابات کو قرآن مجید کی آیات تک محدود رکھیں تا مدیر صاحب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم جس چیز کو حجت مانتے ہیں اسکے رو سے ہم سے کلام نہیں کیا گیا چنانچہ ہم نے الفرقان کے "قرآن نمبر" مجریہ دسمبر ۱۹۵۶ء میں "رسالہ طلوعِ اسلام کے تبصرہ پر نظر" کے عنوان سے مفصل مقالہ شائع کیا۔ اس مقالہ میں قرآن مجید کی آیات کے رو سے ہر استفسار کا جواب دیا گیا ہے اور الفرقان باقاعدہ طور پر جناب مدیر صاحب طلوعِ اسلام کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔

طلوعِ اسلام کا متضاد مسلک

جناب مدیر صاحب مارچ ۱۹۵۷ء کے رسالہ میں لکھتے ہیں:۔

"طلوعِ اسلام نے اپنی اکتوبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں احمدیت کے عقائد کے متعلق چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے کچھ سوالات کئے تھے اور اسکی صراحت کی تھی کہ اگر وہ ان سوالات کا جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں تو انہیں طلوعِ اسلام میں شائع کیا جائیگا۔ ہمارے پاس اسکے بعد بہت سے استفسارات آئے ہیں کہ چودھری صاحب موصوف نے ان سوالات کا کوئی جواب بھیجا ہے یا نہیں۔

ہمارے پاس چودھری صاحب کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ بعض احباب نے لکھا ہے کہ کچھ اور احمدی حضرات اس کا جواب لکھنے کو کہتے ہیں (بلکہ شاید کسی نے کچھ لکھا بھی ہے)۔ لیکن ہمارے سوالات خود چودھری صاحب سے تھے جن کی رُو سے ہم یہ بتانا چاہتے تھے کہ ان کے پاس ان کے عقائد کی قرآنی سند نہیں ہے لہٰذا ان سوالات کا جواب بھی چودھری صاحب ہی کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ یا وہ خود جواب دیں یا کسی کی طرف سے دیئے ہوئے جواب کے متعلق ہمیں لکھ دیں کہ اس جواب کو انہی کی طرف سے جواب سمجھا جائے۔ اسکے بعد ہم بتائیں گے کہ ان جوابات کو قرآن کی بارگاہ سے کیا جواب ملتا ہے۔[1] (ص ۴۲)

اہلِ قرآن اصحاب کا یہ کتنا متضاد مسلک ہے۔ ایک طرف تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن سے سروکار ہے۔ ہمیں دنیا جہان کی شخصیات حتی کہ سرورِ کونین حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو بھی نظر انداز کر کے سوچنا ہے لیکن دوسری طرف ان کے نزدیک الفرقان میں قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں

---

[1] شانِ بے نیازی کا کتنا عجیب انداز ہے؟ (الفرقان)

دیئے ہوئے جوابات اسلئے قابلِ اعتنا نہیں کہ انہیں چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے نہیں لکھا۔ اور جناب ایڈیٹر صاحب طلوعِ اسلام اُسوقت تک کہ جناب چودھری صاحب اُنکی خدمت میں یہ لکھ نہ دیں کہ یہ جواب انہی کی طرف سے سمجھا جائے یہ بتانے کیلئے تیار نہیں کہ الفرقان کے جوابات کو قرآن کی بارگاہ سے کیا جواب ملتا ہے ؟"

ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ طلوعِ اسلام کا یہ موقف نہ صرف اسکا اعلان کردہ اپنے مسلک سے متضاد ہے بلکہ مذہبی تحقیق میں یہ موقف صرف عاجز اور درماندہ انسان ہی اختیار کیا کرتے ہیں۔

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا گرامی نامہ

ہم نے مکرم جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خدمت میں طلوعِ اسلام کی مندرجہ بالا عبارت بذریعہ خط بھجوائی تھی۔ اس پر آپ نے جو لطیف اور مومنانہ جواب تحریر فرمایا ہے وہ قارئین کی آگاہی کیلئے درج ذیل ہے۔ حضرت چودھری صاحب لکھتے ہیں :-

"مکرمی جناب مولانا ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپکا والا نامہ ملا۔ جزاکم اللہ۔ طلوعِ اسلام کی غرض میرے ساتھ ذاتی بحث چھیڑنا ہے میرے لئے مناسب نہیں کہ میں اِس بحث میں پڑوں۔ اگر انکی نیت محض جواب معلوم کرنا ہوتی تو الفرقان کی طرف توجہ کرتے۔

خاکسار
ظفر اللہ خان" 11.3.54

خدا ترس اور منصف مزاج حضرات خدارا ہمارے موقف اور جناب مدیر صاحب طلوعِ اسلام کے رویہ میں موازنہ فرمائیں۔ کیا ہم توقع رکھیں کہ مدیر صاحب بھی اپنے مسلک پر نظرِ ثانی فرمائیں گے ؟

دجال اور قرآن

رسالہ طلوعِ اسلام کراچی نے "دجال اور قرآن" کے زیر عنوان لکھا ہے :- "لاہور کے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے تحقیقاتی عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ قرآن میں یاجوج ماجوج اور دجال کا ذکر موجود ہے (ملاحظہ ہو اخبار الفضل مؤرخہ ۱۵ جنوری ۱۹۵۴ء ص۳) کیا یہ ٹھیک ہے ؟

طلوعِ اسلام : یاجوج ماجوج کا نام تو قرآن میں آیا ہے لیکن دجال کا ذکر اس قرآن میں کہیں نہیں جو مسلمانوں کے پاس ہے (البتہ مرزا صاحب اگر کسی اور قرآن کا ذکر کرتے ہوں تو ہمیں اُس کا علم نہیں) یہ ہیں مسندِ نبوت کے خلیفہ جنہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ قرآن میں دجال کا ذکر نہیں ہے۔" (طلوعِ اسلام مارچ ۱۹۵۴ء)

ایڈیٹر صاحب کے طنزیہ فقرات کو نظر انداز کرتے ہوئے ادب سے عرض ہے کہ قرآن مجید میں تو سب ذکر موجود ہے مگر اسکے دیکھنے کے لئے روحانی بصیرت کی ضرورت ہے لایمسّہ الّا المطھّرون۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

کلّ العلم فی القرآن لکن ۔ تقاصر عنہ افھام الرجال

یاد رہے کہ دجال یاجوج و ماجوج کی ہی ایک صفت ہے جیسا کہ الضالّین بھی صفت ہے۔ اور دجّال کے معنے سخت ترین گمراہ کنندہ فرد یا افراد کے ہیں۔ لغت کی معمولی معمولی کتابوں میں بھی لکھا ہے :-

(الف) "والدجال ھو الکذاب قال ثعلب الدجال ھو المموہ یقال سیف مدجل اذا طلی بذھب وقال ابن درید کل شیء غطیتہ فقد دجلتہ واشتقاق الدجال من ھذا لانہ یغطی الارض بالجمع الکثیر" (المصباح المنیر جلد۱)

(ب) "دجّل الشیء : غطاہ۔ الاناء : طلاہ بالذھب۔ الدجال ای ماء الذھب وبہ شبہ الدجال لانہ یظھر خلاف ما یبطن" (المنجد ص۲۰۳)

لغت کے ان دونو حوالوں سے ظاہر ہے کہ دجال کو دجال اسلئے کہا گیا کہ اوّل تو وہ کذب بیانی اور ملمع سازی میں بے نظیر قوم ہے۔ دوم وہ اپنی کثرت سے زمین پر پھیل جائے گی۔

قرآن مجید نے یاجوج و ماجوج کے متعلق بھی فرمایا ہے۔ وَھُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ کہ وہ ہر بلند و پست مقام پر چھا جائیں گے پس لفظاً یاجوج و ماجوج اور دجال ہی ایک ہی قوم کا ذکر ہے پہلے لفظ سے انکی صنعتی ترقیات اور آتشیں آلہ کی طرف اشارہ ہوا۔ دوسرے لفظ میں انکی کثرت اور مذہبی فتنہ انگیزی

اسلام میں آزادئ فکر کی بے مثال تعلیم!

حضرت امام جماعت احمدیہ پر قاتلانہ حملہ اور اخبارات کے دس اقتباسات!!

اسلام کے معنے صلح اور آشتی کے ہیں۔ اسلام کی بنیاد دلیل اور برہان پر ہے۔ اسلام مذہب اور عقیدہ کے بارے میں کسی قسم کے تشدد اور جبر کا روادار نہیں اس نے مخالفین سے بھی دلیل کا مطالبہ کیا ہے (ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین) اور اپنے ہر دعویٰ پر بھی دلیل پیش کی ہے اور بے دلیل بات ماننے یا منوانے کو جہالت قرار دیا ہے۔ اسلام کی دعوت بصیرت اور بینات پر مبنی ہے اور وہ جبر کا محتاج نہیں قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ...

قرآن مجید نے اختلافِ عقیدہ کو برداشت کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اسلام کی اس تعلیم کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ عقیدہ کا دل سے تعلق ہے اور کسی کے دل کے حالات و خیالات اس کی نیت اور باطنی کوائف کو انسان نہیں جان سکتا۔ یہ صرف خدائے علام الغیوب کا کام ہے اس لئے کسی کے عقیدہ پر جزا و سزا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے انسانوں کا یہ حق نہیں کہ وہ اختلافِ عقیدہ کی بنا پر کسی کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنائیں۔ آیت لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی اور آیت لکم دینکم ولی دین اس بارے میں بالکل صریح ہیں۔

حضرت بانی اسلام سیدنا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر جبر و تشدد کے اصول کی تردید فرماتے رہے۔ اپنے قول اور اپنے عمل سے اسے غلط ٹھہراتے رہے مخالفین اسلام کے تشدد کی مذمت فرماتے رہے۔ بھلا رواداری اور اختلافِ عقائد کو برداشت کرنے کی اس سے بڑی کیا مثال ہوگی کہ آپ نے نجران کے عیسائیوں کو اپنے طریق پر مدینہ کی مسجد نبوی میں عبادت کرنے کی اجازت بخشی اور صلح حدیبیہ کی بظاہر نقصان دہ شرائط صرف اس لئے تسلیم فرمائیں کہ اس طرح کم از کم دس سال کیلئے سرزمین عرب میں آزادئ فکر و عقیدہ کی ضمانت حاصل ہو جائے گی۔

نہایت تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ آخری صدیوں میں مسلمانوں میں دوسرے غلط خیالات کی طرح یہ غلط عقیدہ بھی پیدا ہو گیا کہ مذہب کے لئے جبر کرنا جائز ہے اور اپنے سے مختلف عقائد رکھنے والوں کو ظلم و تعدی کا نشانہ بنانا روا ہے۔ اس غلط ذہنیت نے مسلمانوں کو بے حد نقصان پہنچایا ہے اور ان کی امتیازی صفت یعنی تبلیغ و تبشیر بالکل معدوم ہو گئی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آج مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے باوجود اربوں ڈالر کے مالک ہوتے ہوئے باوجود غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام دینے سے قاصر ہیں۔ اس کا سبب ان کے ایمان کی کمی اور مندرجہ بالا ذہنیت ہے۔ علماء اپنے گھروں میں بیٹھے مسلمانوں کے فرقوں کی تکفیر کرتے رہتے ہیں اور شیعہ سنی وغیرہم کے اختلافات کو اشتعال کی صورت میں پیش کر کے فساد پیدا کرتے رہتے ہیں۔

جماعت احمدیہ اسلام کے منہاج پر قائم شدہ ایک تبلیغی جماعت ہے دلیل اور برہان سے اپنے عقیدہ کو منوانا اس کا نصب العین ہے۔ روزِ اول سے اس کا یہی مسلک ہے اور عملی میدان میں وہ اسی پر گامزن ہے مگر چونکہ یہ جماعت اپنے افراد کے لحاظ سے قلیل التعداد ہے اور مخالفین اس کے دلائل کے سامنے لاجواب ہیں اس لئے وہ تشدد پر اتر آتے ہیں اور جماعت احمدیہ کے خلاف اشتعال انگیزی کرنا علماء کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔

دہلی ۱۰ مارچ ۱۹۸۵ء کو حضرت امام جماعت احمدیہ پر جو قاتلانہ حملہ ہوا ہے وہ درحقیقت اسی گندی ذہنیت اور اشتعال انگیزی کا مظاہرہ ہے جو کچھ عرصے سے علماء نے ایک طریقہ بنا رکھا ہے۔ اہل حق کے دشمنوں نے تو ہمیشہ ہی اس قسم کے ظلم و ستم روا رکھے ہیں انہوں نے حق کی سربلندی کیلئے ہر زمانہ میں قربانی پیش کی ہے اس سے حق کو ہمیشہ کامیابی حاصل ہوتی ہے کون ہے جو اس امر کا انکار کر سکتا ہے کہ اس قسم کے وحشیانہ افعال اسلام کے پاک نام کو بدنام کرنے کا موجب بن رہے ہیں۔ ہم آج بھی اپنے غیر مسلم بھائیوں کو کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام اپنے غلط کار اور محض نام کے پیروؤں کے اعمال کا ذمہ دار نہیں۔ اسلام نے تو ہمیشہ فکر و آزادئ عقیدہ اور آزادئ خیال کی بے مثال تعلیم دی ہے۔

ذیل میں ہم ۱۰ مارچ کے سانحہ کے متعلق اخبارات کے دس اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

اخبارات کے اقتباسات

(۱) روزنامہ "نوائے وقت" لاہور زیر عنوان "علمائے کرام کی طرف سے حملہ کی مذمت" لکھتا ہے:۔

"مقامی علماء نے مرزا بشیر الدین محمود پر مبینہ قاتلانہ حملہ کی مذمت کی ہے:۔

خطیب مسجد وزیر خان مولانا ابو الحسنات نے اس سلسلہ میں ایک بیان میں کہا ہے کہ اسلام اپنے پیرووں کو ایک اتفاقی اور عادلانہ نظام کی حتمی ضمانت کا مطالبہ کرتا ہے جو ختم نبوت کا عملی نفاذ اور دین کی اصل عظمت کا اہتمام ہے مشرقی بنگال کے افسوسناک واقعات کے بعد ربوہ کا یہ واقعہ اسلامی احساس ذمہ داری کے موثر نفوذ میں جس کمی کا پتہ دیتا ہے وہ بے حد رنجدہ اور تعجب خیز ہے! ایسے اقدامات نہ صرف امن کو برباد کرنے والے ہیں بلکہ اسلامی اخلاق و احکام کے مخالف ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ حکومت اور عوام اس بارے میں ذمہ دارانہ عاقبت اندیشی سے کام لیں گے اور سدِ باب کی ایسی مؤثر تدابیر اختیار کریں گے جو ان تمام امکانات کو ختم کرے جو تشدد و ظلم کا موجب بن سکتے ہیں؟"

مولانا داؤد غزنوی

مولانا داؤد غزنوی نائب صدر جمعیۃ علماء اسلام نے کہا ہے "میں نے نہایت افسوس کے ساتھ آج کے اخبارات میں مرزا بشیر الدین محمود پر قاتلانہ حملہ کی خبر پڑھی۔ حملہ آور کے متعلق ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کون شخص ہے اور کس جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حملہ آور مرزا صاحب کی جماعت کے اس حصہ سے تعلق رکھتا ہو جسے مرزا صاحب کی ذات سے شدید اختلافات ہیں یا یہ حملہ مرزا صاحب کی جماعت اور عام مسلمانوں کی چپقلش کا نتیجہ ہو۔ بہرحال ملک میں کوئی گوشۂ فکر ایسا نہ ہوگا جو اس قسم کی متشددانہ حرکات کو پسند کرتا ہو۔

میری یہ قطعی رائے ہے کہ مذہبی یا سیاسی اختلافات کی بناء پر قاتلانہ حملوں یا متشددانہ کارروائیوں کی اگر اجازت دی گئی یا حوصلہ افزائی کی گئی تو فسادات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور یہ ملک و ملت کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث ہوگا۔

اس لئے بغیر مبہم الفاظ میں میں اس افسوسناک واقعہ کی مذمت کرتا ہوں اور یہ قطعی رائے رکھتا ہوں کہ اس قسم کی متشددانہ سرگرمیاں مسائل کے حل کرنے میں کسی طرح مدد نہیں دے سکتیں بلکہ سراسر نقصان دہ ہوتی ہیں کیونکہ تشدد کو روکنے کے لئے زیادہ سے زیادہ تشدد کرنا پڑتا ہے اور معمولی تشدد کے مقابلہ میں وسیع پیمانہ پر تشدد کیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ اندھا اور بہرہ ہوتا ہے اور قصوروار اور گنہگار کا امتیاز نہیں کرتا اور قوم بحیثیت مجموعی نقصان عظیم کی متحمل ہوتی ہے"

ماسٹر تاج الدین انصاری

آل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کے رکن ماسٹر تاج الدین انصاری نے اس واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم اس احمقانہ فعل کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ کیونکہ عقیدہ ختم نبوت کا ایسی حرکتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے مزید کہا ہے کہ ہم ہمیشہ تشدد کی مخالفت کرتے رہے ہیں خواہ وہ کسی طرف سے ہو، اور آئندہ بھی ہم تشدد کی مذمت کرتے رہیں گے۔

جماعت اسلامی کے ہیڈ کوارٹرز سے معلوم ہوا ہے کہ جماعت کا کوئی قابل ذکر رہنما لاہور میں موجود نہیں اسلئے اس جماعت کے رہنماؤں کا ردِ عمل حاصل نہیں کیا جا سکا!"

(۲) جناب ایڈیٹر صاحب "پاکستان ٹائمز" لاہور زیر عنوان "حادثہ ربوہ" لکھتے ہیں:۔

"حال ہی میں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ پر جو حملہ کیا گیا ہے ہر شریف آدمی اس کی مذمت کرے گا۔ ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حملہ آور کی نیت

کسی ذہنی پریشانی کی وجہ سے خراب ہوئی تھی یا اسکے پیچھے احمدیت کے خلاف کوئی مذہبی منافرت کا جذبہ موجود ہے۔ اول الذکر صورت میں یہ جرم عام جرائم کی نوعیت میں آتا ہے لیکن اگر حملہ آور نے کسی مذہبی جنون کی وجہ سے یہ حملہ کیا ہے تو یہ انتہائی طور پر قابلِ مذمت امر ہے اور اس قابل ہے کہ ملک کا اہل الرائے طبقہ اس کی مذمت کرے۔ خواہ کتنے ہی شدید اختلافات کیوں نہ ہوں قوت کا استعمال کسی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انفرادی دہشت پسندی عام طور پر اپنے مقصد کو خود باطل کر دیتی ہے اور ایسے اثرات پیدا کرتی ہے جو اس مقصد کے بالکل منافی ہوتے ہیں۔ ہم پورے طور پر مولانا ابو الحسنات، مولانا داؤد غزنوی اور ماسٹر تاج الدین انصاری کے بیانات کی تائید کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ تمام پاکستانی نہایت مؤثر ذرائع سے اس قسم کے رجحانات کو کچلنے کی کوشش کریں گے جو بلاشبہ تمام ملک کیلئے نہایت درجہ نقصان کا باعث ہیں۔"

(پاکستان ٹائمز ۱۲ر مارچ ۱۹۵۴ء)

(۳) جناب ایڈیٹر صاحب روزنامہ "نوائے وقت" لکھتے ہیں:۔

"مرزا محمود احمد صاحب پر قاتلانہ حملہ کا اقدام ایک ایسا فعل ہے جس کی ہر شخص بلا لحاظِ عقیدہ مذمت کریگا۔ ابھی تک وثوق کے ساتھ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ حملہ آور کون ہے؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؟ حملہ کا محرک جذبہ ذاتی تھا یا حملہ آور مرزا صاحب ہی کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا؟ یا اس کے مذہبی عقائد مرزا صاحب سے مختلف ہیں اور حملہ کی وجہ یہ اختلاف ہے؟ تا دمِ تحریر کسی سوال کا بھی یقینی جواب نہیں ملا۔ بہرحال ہمیں خوشی ہے کہ مولانا داؤد غزنوی، مولانا ابو الحسنات محمد احمد اور ماسٹر تاج الدین نے غیر مبہم الفاظ میں اس حملہ کی مذمت کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اختلافِ عقائد کی بناء پر تشدد کا استعمال ایک نامناسب، ناجائز، خطرناک اور تعلیماتِ اسلامی کے منافی فعل ہے۔ کوئی فہمیدہ شخص اس معاملہ میں ان حضرات کے خیالات سے اختلاف نہیں کرے گا کہ عقائد کے اختلاف کی بناء پر تشدد کے استعمال کی حوصلہ افزائی کی گئی تو ایک ایسا خطرناک اور ناپاک چکر شروع ہو جائے گا کہ کسی کی زندگی محفوظ نہ رہیگی۔"

(نوائے وقت ۱۴ر مارچ ۱۹۵۴ء)

(۴) جناب ایڈیٹر صاحب "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور اپنے ایڈیٹوریل نوٹ میں زیر عنوان "خطرناک فرقہ وارانہ ذہنیت" لکھتے ہیں:۔

"مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی زندگی پر جو حملہ کیا گیا ہے وہ ملک کے سمجھدار طبقہ کے نزدیک ایک جنونانہ فعل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ صرف شریعت اسلامی میں اس کا کوئی جواز نہیں بلکہ یہ اس مذہبی رواداری کی روح کے بھی خلاف ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے اس دُنیا کو عطا ہوئی تھی۔ آج بھی وہ آزادی ضمیر کا پیغام جو چودہ سو سال پہلے دُنیا کو دیا گیا تھا جمہوریت کی بنیاد ہے۔ وہ مذہب جو یہ سکھاتا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں اور جس کے بانی نے یہاں تک وسعتِ قلبی کا ثبوت دیا کہ اس نے عیسائیوں کو اپنی مسجد میں اپنی عبادت ادا کرنے کی اجازت دی اور جو ایک یہودی کے جنازے کے احترام کے طور پر کھڑا بھی ہو گیا وہ یقیناً آج کے مُلّا ازم کے شدید خلاف ہے۔ آج کا مُلّا ازم یہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ اختلاف کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ اگر اس اصول پر عمل کیا گیا تو غالباً پاکستان میں کسی کا گلا بھی سلامت نہیں رہے گا کیونکہ کوئی ایسا فرقہ نہیں جس نے دوسرے فرقے کو کافر و مرتد نہ قرار دیا ہو۔ ابھی بھی وقت

ہے کہ ہمارے علماء اس قسم کی خطرناک فرقہ وارانہ ذہنیت پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ کیونکہ یہ وہ ذہنیت ہے جو پاکستان کی سالمیت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام پاکستانی مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور انہیں ملک کے نظام میں برابری کا درجہ حاصل ہے۔ اگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ تمام پاکستان وحدت کی مضبوط بنیاد پر کھڑا ہو جائے تو پھر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ کلمہ طیبہ ہی ہماری وحدت کی بنیاد بن سکتا ہے۔" (سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۱۴ر مارچ ۱۹۵۴ء)

(۵) جناب ایڈیٹر صاحب روزنامہ "تعمیر" زیرعنوان "مرزا بشیر الدین پر حملہ" لکھتے ہیں:-

"احمدی فرقہ کے رہنما مرزا بشیر الدین محمود پر حملہ کی خبر پڑھ کر ہر صحیح الخیال مسلمان کو رنج ہوا ہوگا۔ اگرچہ حملہ آور کے متعلق ابھی تک کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی لیکن وہ جس فرقہ اور عقیدہ سے بھی تعلق رکھتا ہو اس کی یہ حرکت بلاشبہ مذموم ہے۔ اور اگر اس نے یہ کام کسی مذہبی جوش کی بناء پر کیا ہے تو یقیناً اس نے اپنے مذہب کی تعلیمات کو غلط سمجھا ہے اور ان کے خلاف عمل کر کے اس مذہب کے پیروکاروں کو شرمندہ کیا ہے . . . . . مذہب اور عقائد کے اختلافات اور دوسروں کے نظریات پر ناپسندیدگی کے اظہار کے لئے تشدد کے طریقے اختیار کرنے کو دنیا کے ہر مذہب نے بُرا ٹھہرایا ہے۔ لیکن اسلام نے جس کا پیغام امن و سلامتی اور رواداری کا پیغام ہے ایسے طریقوں کی خاص طور پر مذمت کی ہے۔ ذاتی خواہشات کی بنیاد پر اور رنجش کے اظہار کے لئے بھی ایسے طریقوں کا استعمال ہر سوسائٹی اور ہر قانون میں ممنوع رہا ہے لیکن مذہبی یا سیاسی نظریات کی بنیاد پر ایسے افعال اور بھی زیادہ مکروہ سمجھے گئے ہیں۔ کیونکہ اس سے پوری سوسائٹی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اسی لئے ہم اس واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے یہ امید کرتے ہیں کہ حملہ آور کا یہ اقدام کسی مذہبی جذبہ کا نتیجہ نہیں تھا۔

ہمیں یہ بھی امید ہے کہ ہمارے مذہبی رہنما اس قسم کے واقعات کے اعادہ کو روکنے کے لئے عوام کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح کی پوری کوشش کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے انفرادی واقعات کا مذہبی تعصبات سے کوئی تعلق نہ ہو لیکن ایک اسلامی ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے مختلف مذہبی عقائد رکھنے والوں اور اقلیتوں کے بارے میں ہم پر خاص احتیاط ضروری ہے کیونکہ ایسے تمام لوگوں کی حفاظت ہم پر مذہب کی طرف سے بھی واجب ہے۔"

(تعمیر راولپنڈی ۱۴ر مارچ ۱۹۵۴ء)

(۶) جناب ایڈیٹر صاحب "عوام" لائلپور لکھتے ہیں:-

"ہم بغیر کسی تمہید کے سب سے پہلے اپنے ان جذبات کا اظہار کر دینا چاہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب پر حملہ صد درجہ قابلِ مذمت ہے۔"

(عوام ۱۴ر مارچ ۱۹۵۴ء)

(۷) جناب ایڈیٹر صاحب "مغربی پاکستان" اپنے اداریہ نوٹ زیرعنوان "افسوسناک حرکت" میں لکھتے ہیں:-

"قادیانی عقائد سے شدید اختلاف رکھنے کے باوجود ہمیں یہ خبر پڑھ کر سخت رنج ہوا کہ مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان پر کسی نامعلوم نوجوان نے حملہ کر دیا ہے۔ ہمارا یہ سوچا سمجھا ہوا موقف ہے کہ عقائد کا اختلاف سراسر ذاتی اور شخصی مسئلہ ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے عقائد کا اختلاف ذاتیات سے قومی اور اجتماعی مسئلہ بھی بن جائے تب بھی کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے مخالف کو بالجبر اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے اور خنجر و سنان کو اپنے موقف کی دلیل بنانے پر اصرار کرے۔ اس کے علاوہ یہ حرکت انتہائی غیر اسلامی ہے۔ اسلام کا سب سے

شاندار اور انتہائی مستحسن اصول یہی ہے کہ دوسرے دین کے کسی بزرگ کے خلاف گستاخی نہ کی جائے اور کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے دوسرے فرقہ والوں کے جذبات کو ٹھیس لگے اور اسلام کی اس واضح اور غیر مبہم تعلیم کے پیش نظر بھی مذکورہ نوجوان کی جاہلانہ اور دیوانگی کی حرکت مستحسن نہیں سمجھی جائے گی۔ اور پاکستان کے فہمیدہ طبقے کا کوئی فرد اس حرکت کی تائید نہیں کریگا۔"

(مغربی پاکستان لاہور ۱۳؍مارچ ۱۹۵۴ء)

(۸) روزنامہ "نوائے وقت" زیر عنوان "مرزا محمود پر حملہ کی مذمت" لکھتا ہے:۔

"مرزا محمود احمد صاحب پر قاتلانہ حملے کے سلسلہ میں سابق سالار جیوش احرار اسلام پنجاب الحاج محمد سرور نے ایک بیان میں اس فعل کی شدید مذمت کی ہے اور دیگر علمائے کرام کے بیانات کی تائید میں کہا ہے کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے اختلافات اور نوعیت کے ہیں ان کی آڑ لے کر کسی جماعت کے سربراہ پر قاتلانہ حملہ کرنا نہ صرف غلط اقدام ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی بھی ہے۔ انہوں نے اس قاتلانہ حملہ کو جذباتی فعل گردانا ہے۔"

(نوائے وقت لاہور ۱۶؍مارچ ۱۹۵۴ء)

(۹) جناب ایڈیٹر صاحب "پیغام صلح" لاہور نے "میاں محمود احمد صاحب پر حملہ" کے زیر عنوان لکھا ہے:۔

"یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی۔ کہ ۱۰؍مارچ کو میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان پر جب وہ نماز عصر کے بعد مسجد سے باہر نکل رہے تھے کسی نوجوان نے قاتلانہ حملہ کر دیا جس سے میاں صاحب کی گردن پر سوا دو انچ گہرا زخم آیا۔ میاں صاحب کے پہریدار بھی حملہ آور کی مزاحمت کرتے ہوئے زخمی ہو گئے۔ حملہ آور کو اسی وقت گرفتار کر لیا گیا جس نے اپنا نام عبدالحمید بتایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ملزم چک نمبر ۲۰۴ گ ب تھانہ صدر لائل پور کا رہنے والا ہے اور جمال پور ضلع جالندھر کا مہاجر ہے۔ اسکی عمر ۱۸-۱۷ سال بیان کی جاتی ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ملزم دو تین دن سے ربوہ آیا ہوا تھا اس نے بیعت کی خواہش ظاہر کر کے میاں صاحب سے ملاقات کی کوشش کی تھی جو ناکام رہی تھی آخرکار اس نے مسجد سے باہر نکلتے ہوئے میاں صاحب پر حملہ کر دیا۔ قطع نظر اس بات کے کہ میاں صاحب کے عقائد در بارہ ختم نبوت سے ہم سخت اختلاف رکھتے ہیں ہم اس افسوسناک واقعہ پر اپنے دلی رنج و اندوہ کا اظہار کرتے ہوئے میاں صاحب ممدوح سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اس واقعہ کی جس کی تہ میں کسی گہری سازش کا احتمال ہو سکتا ہے پورے طور پر چھان بین کی جائیگی ہمیں افسوس ہے کہ بعض نام نہاد علماء کے اس پھیلائے ہوئے فتنہ نے جو ختم نبوت کے نام سے کھڑا کیا گیا تھا سیدھے سادھے عوام کی ذہنیتوں کو بہت بڑی حد تک خراب کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حملہ اسی بگڑی ہوئی ذہنیت کا نتیجہ ہو۔ اگرچہ مجلس عمل کے ان مولویوں اور احرار کے ایک رکن نے بھی جو گذشتہ سال اس آگ کو مشتعل کرنے میں پیش پیش تھے اس حملہ کی مذمت کی ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ یہ آگ لگائی ہوئی انہی کی ہے۔" (پیغام صلح ۱۳؍مارچ ۱۹۵۴ء)

(۱۰) جناب ایڈیٹر صاحب روزنامہ "ملاپ" نئی دہلی نے زیر عنوان "مرزا صاحب پر حملہ" لکھتے ہیں:۔

(الف) "پاکستان میں ایک بار پھر ہیجان بپا ہے۔ دس مارچ کی شام کو ضلع جھنگ کے ایک گاؤں ربوہ میں جو پاکستان کے اندر احمدیوں کا ہیڈ کوارٹر ہے مرزا بشیر الدین محمود احمد نماز ادا کرنے کے بعد مسجد سے باہر آ رہے تھے کہ کسی "ایماندار مسلمان" نے ان پر چھُرے سے حملہ کر دیا۔ بڑی قسمت سے وہ بچ گئے۔ حملہ آور کی کرپا سے نہیں۔"

(ب) "عملی طور پر قادیانی اتنے ہی اچھے مسلمان ہیں جتنے کہ اور لوگ۔ یورپ اور ایشیا کے اندر زمانہ جدید میں اسلام کی

مذاکرۂ علمیہ

یتیم پوتے کی وراثت کے سوال کا حل!

موافق و مخالف نظریات پر مشتمل مضامین

اس اشاعت میں چار مضامین یتیم پوتے کی وراثت کے بارے میں شائع کئے جا رہے ہیں۔ یہ سوال ایک علمی اور فقہی اہمیت کے علاوہ اس وقت خاص توجہ کا مستحق بن رہا ہے۔

ان چار مضامین میں سے دو میں ان دلائل کو جمع کیا گیا ہے جن کی رُو سے ثابت کیا جاتا ہے کہ یتیم پوتا اپنے چچا کی موجودگی میں اپنے دادا کے ترکہ کا وارث قرار نہیں پائے گا۔ اور دوسرے دو مضامین میں وہ دلائل مذکور ہیں جن کی رُو سے یتیم پوتے کو وارث ٹھہرانا ضروری ہے۔

مکرم جناب چودھری غلام احمد خان صاحب ایڈووکیٹ پاکپتن اور جناب ایڈیٹر صاحب الاعتصام گوجرانوالہ کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ یتیم پوتا از رُوئے شرع محمدی وارث قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مکرم جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاور اور مکرم جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات کا نظریہ یہ ہے کہ یتیم پوتا وارث ہونا چاہیئے۔ ہر مضمون نگار نے اپنے اپنے دلائل کو اچھے پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے۔

ابھی یہ عنوان زیرِ تحقیق ہے اسلئے دوسرے اہلِ قلم حضرات سے بھی درخواست ہے کہ وہ بھی اپنی اپنی معلومات سے مستفید فرمائیں مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر کافی بحث ہونے کے بعد انشاء اللہ العزیز فیصلہ کی راہ پیدا ہو جائے گی۔

علمی ریسرچ کرنے والے دوستوں سے عرض ہے کہ وہ اس مسئلہ کے بارے میں تاریخی واقعات کی بھی کوئی سند پیش فرمائیں نیز مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے طرزِ عمل سے بھی استشہاد کیا جائے تا قارئین کرام صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔

(ایڈیٹر)

پوتے کی وراثت کا مسئلہ!

شریعت اور رواج میں مقابلہ!!

(از جناب حاجی چودھری غلام احمد خان صاحب ایڈووکیٹ پاکپتن)

پنجاب لیجیسلیٹو اسمبلی میں گزشتہ دنوں ایک تحریک التواء منظور ہوئی ہے کہ شریعتِ اسلام میں پوتے وغیرہ کی وراثت

کے لئے تمہید کے طور پر بیان ہے۔ ہم شریعت اور رواج میں پوتے کی وراثت کا مقابلہ کر کے دکھاتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ رواج کا منبع ہندو دھرم شاستر ہے اور اسلامی شریعت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ اور اس کا کلام ہے جو کہ علم اور حکمت اور علم پر مبنی ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں رواج کے اصول سخت اور ظالمانہ ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

رواج اور دھرم شاستر دونوں میں جدی جائیداد بھی ہوتی ہے اور وراثت میں پیدائشی حق اور نمائندگی کا حق بھی تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ان کے مقابلہ میں شریعت میں نہ تو جدی جائیداد ہوتی ہے اور نہ ہی وراثت میں پیدائشی حق اور نمائندگی کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ رواج اور دھرم شاستر میں عام طور پر وراثت کے معاملہ میں جد، نسل اور اصل کا خیال رکھا جاتا ہے۔ مردوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور عورتوں کے حقوق محض عین حیات تصور کئے جاتے ہیں۔ اور جدی جائیداد میں سب کے اختیارات انتقال محدود ہوتے ہیں اور ان پر بعض پابندیاں لگی ہوتی ہیں لیکن شریعت میں مردوں اور عورتوں میں یکساں طور پر وراثت چلتی ہے۔ عورتوں کے حقوق مردوں کی طرح کامل ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی کے اختیارات انتقال محدود نہیں ہوتے اور نہ ان پر کسی قسم کی پابندی ہوتی ہے۔ اور نہ عورتوں کے عین حیات حقوق ہوتے ہیں۔ ہر ایک مرد اور عورت کا حصہ مقرر ہوتا ہے اور میت سے قرابت کے اصول پر ورثہ پاتے ہیں اور کامل مالک ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے:۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ (النساء ع)

ترجمہ:۔ مردوں کے واسطے اس میں سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا اور عورتوں کے واسطے اس میں سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا جو تھوڑا ہو اس میں سے یا جو بہت ہو اس میں سے مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلام میں مردوں اور عورتوں دونوں میں قرابت کے اصول پر وراثت ملتی ہے اور علیم و حکیم خدا نے اپنے علم اور حکمت کی بناء پر حصص مقرر کر دیئے ہیں اور پھر خود ہی بتا دیا ہے کہ اس کے ہاں کون کون زیادہ قریبی ہیں اور کون کون بعیدی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (النساء ع۲)

ترجمہ:۔ تمہارے باپ (خواہ کتنے اوپر ہوں) اور تمہارے بیٹے (خواہ کتنے نیچے ہوں) تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تمہارے لئے نفع رسانی میں کون زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ (فریضہ) ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور خوب حکمت والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں الفاظ الاقربون اور اقرب اسلامی وراثت کی جان ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض اور تاکیدی حکم یعنی وصیت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ اگر ان کو نظر انداز کر دیا جائے تو اسلامی وراثت کا تانا بانا بکھر جاتا ہے۔ اور انہی کی بناء پر اسلامی سنت اور اجماع میں حسب ذیل دو مشہور اصول وضع کئے گئے ہیں:۔

اصل اوّل | كُلُّ مَنْ يُدْلِي إِلَى الْمَيِّتِ بِشَخْصٍ لَا يَرِثُ مَعَ وُجُودِ ذَٰلِكَ الشَّخْصِ (سراجیہ)

یعنی ہر وہ شخص جو میت کی طرف کسی شخص کے واسطہ سے قریب ہوتا ہے اس شخص کی موجودگی میں وارث نہیں ہو سکتا۔

اصل دوم | الاقربُ فالاقربُ - یعنی جو زیادہ قریبی ہے بہر حال وہ زیادہ قریبی ہے۔ (سراجیہ)

ہر دو اصولوں کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ میت سے زیادہ قریبی شخص وارث ہوگا۔ قریبی شخص کی موجودگی میں بعیدی شخص وارث نہیں ہو سکتا۔ مثلاً میت کا باپ اور دادا موجود ہیں، چونکہ باپ زیادہ قریبی ہے اور دادا بعیدی ہے اور پھر دادا باپ کے واسطہ سے رشتہ دار ہے اسلئے باپ وارث ہوگا اور دادا محروم الارث ہوگا۔ اسی طرح مثلاً میت کا بیٹا اور پوتا موجود ہیں، بیٹا پوتے کی نسبت زیادہ قریب ہے اور پوتا بیٹے کی نسبت میت سے بعید ہے اور نیز پوتا بیٹے کے واسطہ سے میت کا رشتہ دار ہے اسلئے بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہو سکتا۔ رواج دھرم شاستر بلکہ تمام دُنیا میں اسی اصول پر عملدرآمد جاری ہے اور اس میں کوئی سختی اور ظلم نہیں سمجھا جاتا۔

پوتے کی وراثت میں دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر میت کا کوئی بیٹا موجود نہ ہو اور بیٹیاں اور پوتے اور پوتیاں موجود ہوں تو رواج کی رُو سے صرف پوتے وارث ہوں گے بیٹیاں اور پوتیاں وارث نہ ہوں گی۔ لیکن شریعت میں بیٹیاں اور پوتے اور پوتیاں سب بیک وقت وارث ہوں گے۔ اس مثال سے رواج میں سختی اور ظلم ثابت ہے لیکن شریعت میں حلم ثابت ہے۔

پوتے کی وراثت میں متنازعہ فیہ صورت تیسری یہ ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے چند بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے ایک بیٹے کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی (جو کہ میت کا پوتا اور پوتی ہوئے) وہ بیٹا اپنے باپ (میت) کی زندگی میں فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے بیوہ اور بیٹا اور بیٹی چھوڑ مرا (جو کہ میت کی بہو اور میت کا پوتا اور پوتی ہوئے) اب اس اثناء میں وہ آدمی یعنی مرنے والے بیٹے کا باپ بھی مر گیا یعنی پوتے کا دادا مر گیا۔ اب رواج میں صرف موجود بیٹے اور پوتا (یعنی مرنے والے بیٹے کا بیٹا) وارث ہوں گے نہ اسکی بیوہ وارث ہوگی اور نہ اس کی بیٹی (یعنی میت کی بہو) اور نہ پوتی وارث ہوگی۔ لیکن شریعت میں صرف موجود بیٹے اور بیٹیاں وارث ہوں گی کیونکہ وہ مرنے والے بیٹے کی بیوہ اور بیٹے اور بیٹی (یعنی اصل میت کی بہو اور پوتے اور پوتی) سے اقرب ہیں جیسا کہ قرآن کریم اور سُنّت اور اجماعِ اُمت سے اُوپر ثابت کیا جا چکا ہے اس مثال سے رواج کے احکام صریح طور پر ظالمانہ اور سخت پائے جاتے ہیں۔ لیکن شریعت کا اصول اللہ تعالیٰ کے علم اور حلم اور حکمت پر مبنی ہونا ظاہر ہے۔ اگر اب بھی یہ بات سمجھ نہیں آتی تو مندرجہ ذیل مثال سے ہی سبق حاصل کر لو:۔

مثلاً ایک آدمی کے چند بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوتی ہوں۔ ان میں سے ایک بیٹی اس آدمی کی زندگی میں فوت ہو جاتی ہے اور اپنے پیچھے بیٹے اور بیٹیاں چھوڑ جاتی ہے۔ اس اثناء میں نواسوں اور نواسیوں کا نانا بھی فوت ہو جاتا ہے جبکہ وہ نواسے اور نواسیاں زندہ موجود ہوں اور میت کے بیٹے اور بیٹیاں بھی موجود ہوں۔ اس صورت میں رواج اور شریعت دونوں کے رُو سے یہ نواسے اور نواسیاں محروم الارث ہوں گے۔ مگر

ان پر کوئی ظلم اور سختی محسوس نہیں کرتا صرف پوتے کے محروم الارث ہونے پر تمام ظلم اور سختیاں محسوس ہونے لگتی ہیں۔ رواج اور شریعت میں مذکورہ بالا مقابلہ سے عیاں ہے کہ پوتے کی وراثت میں سختی اور ظلم کا مسئلہ محض ایک خیالی بات ہے ورنہ اس میں کوئی اصلیت نہیں۔ اسلئے پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں شریعت کی ترمیم والی تحریک نامنظور ہونی چاہیئے اور آئندہ بھی شریعت میں ترمیم، تبدیل اور تنسیخ کرنے کا کوئی اقدام نہ کرنا چاہیئے۔

پوتے کا حق وراثت

(از قلم جناب ایڈیٹر صاحب الاعتصام۔ گوجرانوالہ)

پوتے کو دادا کی جائداد کا مستحق قرار دینے کا سوال آج کل خاصہ زور پکڑ گیا ہے بعض لوگوں پر تو یہ خیال اتنا مستولی ہو گیا ہے کہ وہ اسے قانونی شکل دینے کے درپے ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص انتقال کر جائے جس کا مثلاً ایک لڑکا موجود ہے اور ایسا پوتا بھی موجود ہے جس کا باپ متوفی کی زندگی میں وفات پا چکا ہے تو کیا یہ پوتا دادا کی جائداد کا مستحق وراثت ٹھہرتا ہے؟

کتاب و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرنے والوں بلکہ پوری امت کا آج تک کا متفقہ فیصلہ یہی ہے اور عقل سلیم اسی کی مؤید ہے کہ صورت مذکورہ میں اس پوتے کو دادا کی جائداد کا حق وراثت نہیں پہنچتا اور متوفی کی جائداد کا مستحق وراثت اس کا موجود بیٹا ہے۔ امت کے اس متفقہ فیصلہ کی بنیاد صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :-

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولیٰ رجل ذکر۔ "یعنی متوفی کی جائداد کے مقررہ حصے حقداروں کو دیدو، جو بچ جائے اس پر ان مردوں کا حق ہے جو متوفی سے نسبتاً زیادہ قریب ہوں"

واضح رہے، یہ فرمان نبوی (ص) قرآن سے الگ شے نہیں بلکہ اس کے بیان کردہ قانونِ ارث پر مبنی ہے۔ قرآن اور حدیث نے اس امر کی وضاحت کر دی کہ میت کی جائداد سے جو جو حصے جن جن کو پہنچتے ہیں وہ ان میں ٹھیک مقدار پر بانٹ دینے ضروری ہیں۔ اور بقیہ جائداد کا مستحق وہ مرد ہوگا جو متوفی سے زیادہ قریب ہو۔ متوفی سے "زیادہ قریب" کے لئے حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے "اولیٰ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جسے اسلامی قانونِ میراث میں "اقرب" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ متوفی سے جو زیادہ قریب ہوگا وہی اس کی وراثت کا صحیح حقدار ہوگا اس اصول کی روشنی میں امت کا اس پر بلا استثناء اجماع ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جس کے بیٹے بھی ہوں اور ایسا پوتا بھی ہو جس کا باپ وفات پا چکا ہو تو وہ اپنے دادا کی جائداد سے مستحق وراثت نہیں ہوگا اور جائداد متوفی کے دیگر مستحق ورثاء میں تقسیم کر دی جائے گی۔ اسلئے کہ اسلامی قانونِ میراث کی رو سے ایسا پوتا مستحق وراثت نہیں بلکہ مستحق وراثت متوفی کی موجود صلبی اولاد ہے۔ اس ضمن میں خاص طور پر قابلِ غور لفظ "اولیٰ" یا "اقرب" ہے جو اس مفہوم کو واضح کرتا ہے کہ متوفی کا وارث وہ شخص ہے جو اس سے قریب تر ہو، ظاہر ہے کہ اس سے "قریب تر" پوتا نہیں بلکہ

بیٹا ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہ اسلئے کہ پوتا اور دادا کا رشتہ براہ راست نہیں ہے بلکہ درمیان میں بیٹے کا واسطہ حائل ہے جو کہ "اقرب" ہے، اور اس درمیانی واسطہ نے پوتے کو "اولیٰ" یا "اقرب" نہ رہنے دیا۔ جب صورت یہ ہوئی تو دادا کی وراثت کا پوتے کی نسبت صلبی بیٹا ہی حقدار ٹھہرا اور وہی اس کی جائداد کا اصل وارث قرار پایا اور پوتا قرابت کے اس اصول کی روشنی میں خود بخود ہی محروم ہو گیا۔ یہاں یہ بات صاف ہو جانا ضروری ہے کہ علمائے امت نے بالاجماع اب تک جن چیزوں کو استدلال کا ماخذ اور احکام کی عمارت کا بنیادی پتھر قرار دیا ہے وہ ہے (۱) کتاب اللہ (۲) سُنّت رسول اللہؐ (۳) اجماع اور (۴) قیاس مجتہد ہیں۔

علماء کا طریق استدلال یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ کے بارہ میں ان کو تحقیق کرنا ہو تو وہ اوّلاً کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اگر کتاب اللہ سے اس کی وضاحت نہ ہو تو سُنّتِ رسول اللہؐ کی طرف لوٹتے ہیں۔ اگر اس میں بھی ناکام رہیں تو اجماعِ امت کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوں تو قیاسِ مجتہد کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

یہ چار مراحل ہیں جنہیں استدلال کا سفر کرتے وقت عبور کرنا پڑتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا زیرِ بحث مسئلہ یعنی پوتے کی وراثت سے متعلق ان چاروں میں سے کسی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا پوتا دادا کی جائداد کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ہرگز نہیں! کتاب اللہ، سُنّت رسول اللہؐ، اجماعِ امت اور قیاس آپ ان چاروں کو خوب کھنگال ڈالئے ان کی مقررہ حدود میں بار بار اشہبِ فکر کو دوڑائیے اور اپنی نظرِ تحقیق کو وسیع سے وسیع تر کیجئے۔ مگر آپ یقین جانیئے ایسا پوتا آپ کو محروم الارث ہی نظر آئے گا۔

فارجع البصر کرتین ینقلب الیك البصر خاسئًا و ھو حسیر ٥

اجماع کا درجہ کوئی معمولی درجہ نہیں ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ (رض) گزرے ہیں ان میں سے وہ بھی ہیں جن کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کی بشارت دیدی تھی۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت عثمان ذی النورین رضؓ اور حضرت علی رضؓ ایسے عظیم المرتبت صحابہ بھی شامل ہیں۔ ان کا دورِ حکومت آج تک مثالی مانا جاتا ہے۔ صحابہ کی اس کثیر تعداد میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اور حضرت زید بن ثابت رضؓ ایسے اصحابِ علم و فضل اور مفسرِ قرآن بھی ہیں مگر کسی نے ایسے پوتے کو وراثت کا مستحق نہیں قرار دیا بلکہ صحیح بخاری میں امام المحدثین نے ایسے پوتے کی وراثت سے عدم استحقاق پر ایک عنوان قائم کیا ہے جس میں زید بن ثابت رضؓ کا قول نقل کر کے اس حدیث کو بطور استشہاد پیش کیا ہے کہ الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر۔ صحیح بخاری میں یہ کتنی بڑی وضاحت ہے کہ زید بن ثابت رضؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے جب اسکے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ

"ایسا پوتا محروم الارث ہے۔"

صحابہؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا ایک بہترین دور گذرا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی ایسا فتویٰ نہیں دیا جس کے صادر کرنے پر آج کل پنجاب اسمبلی کے "مفتی" بے چین ہو رہے ہیں۔

اب سوال دو ٹوک ہے۔ یا تو آپ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ لاکھوں تابعین، بے شمار تبع تابعین اور لاتعداد ائمہ حدیث و فقہ (یعنی ماہرینِ قانون اسلامی) کا فیصلہ مانیں اور ان کے فتویٰ و عقیدہ کے مطابق ایسے پوتے کو

دادا کی جائداد سے وراثت کا حقدار نہ قرار دیں اور یا پھر ان کی بات تسلیم کرنے سے صاف صاف انکار کر دیں۔ دوسری صورت میں یہ لازم آئے گا کہ آپ کے خیال میں یہ لوگ قرآن و حدیث اور فقہ کا مطالعہ اور اس پر غور و فکر نہیں کرتے رہے بلکہ نعوذ باللہ اس سے کوسوں دور رہے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اقوال و افعال اسلامی طور سے حجت مانے جاتے ہیں اور انہی سے آپ روگردانی کر رہے ہیں؟ جنہوں نے کشتِ اسلام کو اپنے خون سے سینچا ہے۔ فما لکم کیف تحکمون ؟

اگر آپ عقل و خرد اور غور و فکر کے بند کواڑ ذرا کھول دیں تو آپ کو معلوم ہو کہ پوتا تو اسی صورت میں اپنے دادا کی جائداد کا مستحق ہو سکتا ہے جب کہ دادا کی جائداد کا استحقاق اس کے باپ کی طرف منتقل ہو گیا ہو۔ لیکن جب باپ کو دادا کی جائداد سے حق ملک ہی ابھی حاصل نہیں ہو سکا کہ موت کی آغوش میں چلا گیا تو بتایا جائے کہ پوتا کیونکر مستحق وراثت ٹھہرا؟ جب اسلامی قانونِ وراثت کی بنیاد ملک قرار پائی تو ایسے پوتے کو "محروم الارث" ہی نہیں کہنا چاہیئے اسلئے کہ "محروم" کے لفظ سے یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ درحقیقت یہ پوتا حقدار تھا مگر بعد میں "محروم" کر دیا گیا۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں، حقیقت یہ ہے کہ پوتا تو کیا جائداد کا وارث تو ابھی اس کا باپ بھی نہیں ہوا کہ فوت ہو گیا۔ یہ تیسری جگہ جا کر محروم کیسے ہو گیا۔ کوئی جائداد اس کی ملک میں ہو تو یہ اس سے محروم ہو۔ جب اس کی جائداد ہی نہیں تو محروم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلامی قانونِ وراثت نے اس مسئلہ کو صاف اور منقح کر کے رکھ دیا ہے مگر جن لوگوں کا علم اتنا مفلوج ہے کہ وہ اس کے ذریعے اسلامی قانونِ وراثت تک رسائی نہیں کر سکتے ان کی کتابِ استدلال میں ایسے پوتے کو دادا کی جائداد سے وراثت کا مستحق ٹھہرانے کی وزنی سے وزنی کوئی دلیل پائی جاتی ہے تو صرف یہ کہ یہ پوتا یتیم ہے اس پر رحم کرنا چاہیئے اور اس کو محروم نہیں کرنا چاہیئے۔

ہمارے خیال میں ان کی اس دلیل سے ان کا موقف بالکل کمزور ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ یہاں سابقہ "ترحم" سے نہیں بلکہ "قانون" سے ہے۔ قانون قطعی بے لچک ہوتا ہے اس میں ایسی کوئی شق نہیں ہوتی جس کی رو سے "ترحم" "استحقاق" کی دلیل بن سکتا ہو۔ اگر آپ قانون کا مقابلہ رحم سے کرنا شروع کر دیں تو قانون بے حیثیت ہو جاتا ہے۔ قانون تو اپنی جگہ اتنا ٹھوس ہوتا ہے کہ آپ کے لاکھ مرتبہ رحم رحم کا وظیفہ کرنے پر بھی متاثر نہیں ہوتا۔

جب اسلامی قانونِ وراثت یہ ہوا تو اس کے مقابلہ میں رحم کا سوال کھڑا کرنے سے کیا حاصل ——؟ تعجب ہے کہ قانون کو وہی لوگ بے اثر بنا رہے ہیں جو سب سے زیادہ قانون کے سختی سے پابند ہیں۔ اگر معاملہ صرف یتیم ہی کا ہے اور دادا کی وراثت سے پوتے کو محض اس بنا پر حصہ مل رہا ہے کہ وہ یتیم ہے تو یتیم نواسے کو بھی ملنا چاہیئے۔ یہی کیوں ہو کہ یتیم پوتے کو تو حصہ مل جائے مگر یتیم نواسے کو نہ ملے، آخر بیٹے اور بیٹی میں بحیثیت اولاد ہونے کے فرق ہی کیا ہے؟ یہاں ایک سوال اور بھی ہے کہ اگر پوتا یتیم نہ ہو بلکہ بالغ اور مالدار ہو تو ——؟

یہ اور اس قسم کے متعدد سوالات یہاں پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ لوگ جن بنیادوں پر مسئلہ کی عمارت کھڑی کر رہے ہیں وہ بنیادیں ہی شرعی اور اسلامی قانونِ وراثت کی رو سے کھوکھلی ہیں۔ اس پر سنجیدہ اور متین ماہرینِ قانون کو از سرِ نو غور کرنا چاہیئے اور جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی غلط قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔

دادا کے ترکہ میں یتیم پوتے کا حقِ میراث

(از جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاور)

مکہ معظمہ میں خاندانِ قریش کے رئیس عبدالمطلب کے چند فرزند تھے۔ جن میں عبداللہ، عبدالعزیٰ، حمزہ اور ابوطالب داخل تھے ــــ عبداللہ کے گھر میں ان کی زوجہ آمنہ کے بطن سے ایک برگزیدہ مولود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے۔ ابھی وہ بچہ ہی تھے کہ عبداللہ مدینہ میں وفات پا گئے۔ اور جس وقت آپ یتیم ہوگئے تو چار سال بعد آپ کی والدہ بھی گذر گئیں۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں اور باپ دونوں جدا ہوگئے۔ سات سال کی عمر میں دادا عبدالمطلب بھی گذر گئے۔ دادا کی میراث کی تقسیم کے وقت عبداللہ کے قائم مقام صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعمر سات سال موجود ہیں اور باقی اولادِ عبدالمطلب کی جو حضرت محمد کے چچا ہیں موجود ہیں۔ آنحضرت دادا کی میراث میں اپنے والد کے حصہ کے حقدار ہیں اور اپنے چچوں کے عدل و انصاف کے منتظر ہیں کہ استنے میں ایک حنفی المذہب صاحب پہنچ کر فقہ حنفی کی رو سے الاقرب فالاقرب کا اصول بنا کر آنحضرت کے چچوں کو کہہ دیتے ہیں کہ اپنے باپ عبدالمطلب کی میراث تم باہم تقسیم کر لو اور حضرت محمد بن عبداللہ چونکہ پوتا ہے اس واسطے ان کو کوئی حصہ لینے کا حق نہیں۔

خدا تعالیٰ نے قرآن کریم سورہ نور میں ترکہ میراث کی تقسیم کے ابتداء میں ہی فرمایا ہے کہ یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَولَادِکُم لِلذَّکَرِ مِثلُ حَظِّ الاُنثَیَینِ یعنی فوت شدہ انسان کے ترکہ کی تقسیم کے وقت خدا تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ سب سے مقدم اولاد کا خیال رکھو اور بوقت تقسیم مرد کو عورت کے مقابلہ میں دو حصے ملیں گے۔

سب علماء تسلیم کرتے ہیں کہ لفظ اولاد میں جس طرح بیٹے شامل ہیں اسی طرح پوتے بھی داخل ہیں۔ پھر اہل سنت کے علماء کہتے ہیں کہ اگر پوتا جائداد چھوڑ کر فوت ہو اور اس کا والد پوتے سے قبل فوت ہوا تو اس کے ترکہ میں سے اس کے دادا کو اگر وہ زندہ ہو تو دوسرے ورثاء کے ساتھ حصہ ملے گا۔

ہم کہتے ہیں درست ہے۔ اسی اصول کے ماتحت پوتا بھی دادا کی میراث کا حق دار ہے اگر دادا اپنے بیٹے کا قائم مقام ہے جو متوفی کا باپ تھا۔ تو دادا کی میراث کا پوتا بھی حق دار ہے وہ اپنے فوت شدہ باپ کا قائم مقام ہے۔

قرآن خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام انسانی کلاموں پر مقدم ہے۔ احادیث بہرحال قرآن کے تابع ہیں۔ وہ خدا کے کلام کو رد کر سکتی ہیں اور نہ منسوخ کر سکتی ہیں۔ پس روایات ظنیہ کی بنا پر ایک یتیم کا ورثہ ضائع کر دینا خدا تعالیٰ کے سامنے سخت جواب دہی کا باعث ہے۔ ہمارے علماء کو خدا تعالیٰ کا خوف کرنا چاہیئے۔ اہل سنت علماء سے تو شیعہ علماء ہی خدا ترس رہے جنہوں نے یتیم پوتے کا حق تسلیم کیا ہے اب دوسرے بھی قائل ہو رہے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے علماء کو حضرت حَکم و عَدل نے حکم دیا ہے کہ اگر فقہ حنفی میں کوئی بات خدا کے کلام کے خلاف ہو تو احمدی علماء اس غلط مسئلہ کو درست کر لیں۔ ہم فقہ حنفی کے مقلد نہیں اور نہ ہر روایت جس پر حدیث کا نام ہے بلا تحقیق مانتے ہیں بلکہ ہر چیز کو قرآن مجید کے معیار پر پرکھتے ہیں۔

فطرتِ صحیحہ دل کے اندر سے آواز دے رہی ہے کہ یہ مسئلہ یقیناً غلط اور مبنی بر ظلم ہے جس میں یتیموں کا مال ضائع

ہو رہا ہے۔ ہر شخص اپنی ضمیر سے دریافت کرے کہ اگر اس کے کسی بیٹے کے فوت ہونے پر اس کی خورد سال اور یتیم اولاد کے ساتھ دیگر ورثاء یہ طرز عمل روا رکھیں تو اس کو کس قدر صدمہ پہنچے گا۔ اور وہ اس کو کس قدر بے انصافی خیال کرے گا۔

صوبہ سرحد کے موضع شیخ محمدی میں ایک چور تھا جس گھر میں کوئی میت ہو جاتی تو رات کو وہ اس گھر میں ڈاکہ ڈال کر اثاث البیت لے جاتا کسی نے اس سے دریافت کیا تو بتلایا کہ میری ایمانداری ہے کہ ادھر ان کا مالک مکان اور خاندان کا ممبر فوت ہو جاتا ہے عورت بیوہ اور اولاد یتیم رہ جاتی ہے اور کمانے والا چلا جاتا ہے ادھر آپ ان کو اثاث البیت سے محروم کر دیتے ہیں۔ وہ ڈاکو کہنے لگا کہ میں تو قدرت کے حکم اور فعل کو دیکھتا ہوں۔ جب وہ خاندان کا بڑا مر دمار دیتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ خدا نے اس خاندان کو کوئی سزا دی ہے میں قدرت کی اتباع میں ان سے مال لے لیتا ہوں کیونکہ قدرت نے نشاندہی کر دی ہے کہ یہ مستحق سزا ہے۔

غالباً اہل فقہ نے بھی یہی اصول سمجھ لیا ہے کہ جب یتیم پوتے کا باپ خدا نے مار دیا تو مولوی صاحب سمجھ گئے کہ یہ یتیم مستحق سزا ہے تم اس کو میراث دادا سے محروم کر دو اور الاقرب فالاقرب کا اصل نافذ کر کے اولاد سے پوتے کو خارج کر دو۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کس قدر خدا نے اس کلام نے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا بار بار اور کثرت سے یتیم کے حقوق کی حفاظت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے اور ان کے حقوق کو غصب کرنے والوں کو کس قدر ڈرایا ہے کہ یتیم کا مال کھانا اپنے پیٹوں میں آگ ڈالنا ہے اور یتیم کی تربیت تعلیم اور حفاظت مال کی سخت تاکید فرمائی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اہم موضوع پر کلام اللہ اور سنت اللہ اور فطرت انسانی کے مطابق غور کیا جائے۔

میرا ضمیر تو یہی کہتا ہے کہ یتیم پوتے اپنے چچوں کے ساتھ اپنے باپ کے حصہ میراث کے حق دار ہیں۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم میں پوتا بھی داخل ہیں۔ ولد الولد کا حکم ولد کا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آیت ووھبنا لہ اسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب میں یعقوب پوتے کو بیٹ ابراہیم کا قرار دیا ظاہر کر دیا اور اولاد میں شمار فرمایا ہے ۔

یتیم پوتے کو وارث قرار دینے کے شرعی و عقلی دلائل

(از قلم جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر۔ گجرات)

اگر پوتا کو بیٹا کی حیثیت دی جائے یا بالفاظ دیگر اس کو بیٹے کا قائم مقام تصور کیا جائے تو وہ ایسا ہی وارث ہو سکتا ہے جیسا کہ اس کا باپ اگر زندہ ہوتا تو وارث ہوتا۔

آیاتِ ذیل میں پوتے کو بیٹا تصور کیا گیا ہے:۔

(۱) فبشرنٰھا باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب (۱۱/۷۲)
(۱) پس ہم نے ابراہیم کی بیوی کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔

(۲) ووھبنا لہٗ اسحٰق ویعقوب۔ (۶/۸۴)
(۲) ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب عطا کئے۔

آیۂ کریمہ ذیل میں پوتوں اور پڑپوتوں وغیرہ کو چاہے کتنے ہی نچلے درجہ کے ہوں بیٹا کہا گیا ہے:۔

(۱) یا بنی اٰدم خذوا زینتکم عند کل مسجد۔ (۷/۲۹)
(۱) اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد میں مزین ہو کر جاؤ۔

آیۂ کریمہ ذیل میں آنحضرتؐ کو خدا کا ارشاد تھا کہ نجران کے عیسائیوں کو کہدے کہ وہ اپنے بیٹے دعاءِ مباہلہ کیلئے پیش کریں اور ہم بھی اپنے بیٹوں کو پیش کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اپنے نواسوں حضرت امام حسنؓ و حسینؓ کو بیٹے تصور کر کے پیش کیا۔

(۱) فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم (۳/۶۱)
(۱) پس کہدے کہ ہم بھی اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم بھی اپنے بیٹوں کو بلا لو۔

بیٹا بطور ذوی الفروض (وہ ورثا جن کے حصص قرآن میں مقرر ہیں) وارث نہیں ہوتا صرف بطور عصبات (وہ ورثا جو ذوی الفروض کے حصص لینے کے بعد جو کچھ باقی بچے لیتے ہیں) ہمراہ دختر وارث ہوتا ہے۔

بیٹی اگر ایک ہو تو ½ حصہ لیتی ہے۔ اگر ایک سے زائد ہوں تو ⅔ حصہ لیتی ہیں۔ والدین میں سے ہر ایک کو بموجودگی اولاد ⅙ حصہ ملتا ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ ذیل سے عیاں ہے:۔

(۱) یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک۔ فان کانت واحدۃ فلھا النصف ولابویہ لکل واحدٍ منھما السدس مما ترک ان کان لہٗ ولد۔ فان لم یکن لہ ولد

(۱) خدا تم کو تمہاری اولاد کے بارہ میں یہ حکم دیتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے۔ اور اگر دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کو جائداد متروکہ متوفی کا ⅔ حصہ۔ اور اگر ایک عورت ہی ہو تو اس کو ½ حصہ ملے۔ اور اگر متوفی کی اولاد ہو تو والدین میں سے ہر ایک کو ⅙ حصہ ملے۔ اور

ورثه ابواه فلامه الثلث فان كان له اخوة فلامه السدس من بعد وصية يوصي بها او دين - آباؤكم وابناؤكم لا تدرون ايهم اقرب لكم نفعاً فريضةً من الله - (۴/۱۲)

اگر متوفی کی اولاد نہ ہو تو والدہ کو 1/3 حصہ ملے اگر متوفی کے بھائی اور بہنیں ہوں تو والدہ کو 1/6 حصہ ملے - یہ تقسیم وراثت وصیت کو پورا کرنے اور قرضہ کے ادا کرنے کے بعد عمل میں آئے - تم کو علم نہیں ہے کہ تمہارے بیٹوں اور تمہارے باپوں میں سے بلحاظ فائدہ کے کون زیادہ قریب ہے - یہ حصص خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔

تشریح :- آیۂ کریمہ مندرجہ بالا میں آباء بصیغۂ جمع اور ابناء بھی بصیغۂ جمع آیا ہے - باپ ایک ہی ہوتا ہے مگر آباء کا لفظ بول کر یہ سمجھایا گیا ہے کہ دادا پڑدادا وغیرہ بھی باپ کے قائم مقام ہوتے ہیں - اسی طرح ابناء کا لفظ بول کر یہ سمجھایا گیا ہے کہ پوتے پڑپوتے وغیرہ بھی بیٹوں کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے بیٹے ہی ہوتے ہیں۔

بیٹا بیٹی کی موجودگی میں بطور عصبہ (باقی لینے والا) تو وارث ہوتا ہے جیسا کہ اس آیۂ میں مذکور ہے - مگر کہیں قرآن میں مذکور نہیں ہے کہ اگر صرف بیٹا ہی ہو اور کوئی وارث نہ ہو تو بیٹے کو سارا ترکہ ملتا ہے - فقہاء نے اس دلیل پر اس کو ساری جائداد کا مستحق قرار دیا ہے کہ اگر ایک بیٹی ہو تو اس کو 1/2 حصہ ملتا ہے اسلئے اگر ایک بیٹا رہ جائے تو وہ بدیں وجہ سارے ترکہ کا وارث ہوتا ہے کہ اس کو بیٹی کے حصہ کا دوچند ملنا قرآن سے ثابت ہے - اگر ایک بیٹی ہی رہ جائے تو اس کو 1/2 حصہ ملتا ہے - لہٰذا اگر ایک بیٹا ہی رہ جائے تو اس کو 1/2 حصہ کا دوچند یعنی سارا ترکہ ملنا چاہیئے۔

بیٹے کے علاوہ باقی عصبات کے وارث ہونے کا ذکر بھی قرآن میں نہیں ہے ان کو فقہاء نے حدیث مذکورہ صحیحین مندرجہ ذیل کے مطابق باقی حصہ دلایا ہے۔

الحقوا الفرائض باهلها فما ابقته الفرائض فلاولى رجل ذكر (شرح سراجیہ شیخ الاسلام علامہ تفتازانی)

حصص مقررہ اہل فرائض یعنی ذوی الفروض کو دیدو اور جو کچھ ان سے باقی بچے وہ اس مرد کو دو جو سب سے زیادہ وراثت لینے کا مستحق ہو۔

دادا، پوتا، پوتی اور دیگر ورثاء کی توریث جس کا ذکر قرآن اور سنت میں نہ ہو اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ اگر قرآن اور سنت کی نص صریح نہ ہو تو مجتہد کی رائے پر بھی فیصلہ ہو سکتا ہے - اجتہاد مجتہد پر فیصلہ کرنے کے لئے حضرت معاذؓ کی روایت ہے جن کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے تم کو کوئی مسئلہ نہ مل سکے تو تم کس طرح فیصلہ کروگے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اجتہاد کر کے اپنی رائے پر فیصلہ کروں گا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا۔ الحمد للہ کہ رسول اللہ کے فرستادہ کو خدا نے اس امر کی توفیق دی جس سے وہ خدا اور اس کے رسول کو راضی کر سکے۔ (دیکھو شریفیہ شرح سراجیہ حاشیہ ۱ صفحہ ۳)

فقہاء نے پوتے اور پوتی کو بیٹے اور بیٹی کی طرح مستحق وراثت قرار دیا ہے۔ بالفاظ دیگر پوتے کو بیٹا اور پوتی کو بیٹی تصور کیا ہے یعنی اگر ایک ہی پوتی ہو تو 1/2 حصہ لیتی ہے - اگر ایک سے زائد ہوں تو 2/3 حصہ لیتی ہیں - پوتی پوتے

کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہے جس طرح بیٹی بیٹے کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہے جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔

اُوپر کی آیاتِ قرآنی کے حوالوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ پوتا بمنزلہ پسر کے ہوتا ہے اور پسر کی حیثیت میں بطور قائم مقام والد متوفی خود وارث ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ آیاتِ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ دادا بلکہ پڑدادا اور چچا کو بھی باپ کہا گیا ہے۔

(۱) ویتم نعمتہ علیک وعلی آل یعقوب کما اتمھا علی ابویک من قبل ابراھیم واسحٰق (۱۲/۶)

(۱) اے یوسف! تجھ پر اور آلِ یعقوب پر خدا اسی طرح اپنی نعمت کو پورا کرے گا جس طرح قبل ازیں اس نے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحٰق پر اس نعمت کو پورا کیا۔

تشریح:- اس آیۂ کریمہ میں حضرت اسحٰق دادا اور حضرت ابراہیم پڑدادا کو (آبٌ) باپ کہا گیا ہے۔

(۲) ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰھک والٰہ اٰبآئک ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰھا واحداً (۲/۱۳۳)

(۲) یعقوب نے کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تیرے خدا اور تیرے باپوں ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے خدا کی عبادت کریں گے جو ایک ہی خدا ہے۔

تشریح:- اس آیۂ کریمہ میں اسحٰق باپ اور اسمٰعیل چچا اور ابراہیم دادا کو باپ کہا گیا ہے۔

فقہاء نے دادا کو باپ قرار دیتے ہوئے باپ کی عدم موجودگی میں اس کو ۱/۶ حصہ بطور قائم مقام والد دلایا جو بصورت اگر باپ زندہ ہوتا تو اس کو ملتا۔ اسی طرح دادی کو والدہ بر بنا حدیث قرار دیکر اس کو والدہ کا ۱/۶ حصہ بطور قائم مقام والدہ متوفیہ دلایا ہے۔ (دیکھو شرح سراجیہ مؤلفہ شیخ الاسلام علامہ تفتازانی)

صاف ظاہر ہے کہ جبکہ والدہ کا ۱/۶ حصہ مقررہ دادی کو دلایا ہے تو اس کو والدہ کا قائم مقام ہی تصور کیا ہے۔ اسی طرح اگر دادا کو باپ کا ۱/۶ حصہ مقررہ دلایا ہے تو اس کو باپ کا قائم مقام خیال کیا ہے۔ کیونکہ اگر انکو قائم مقام نہ قرار دیا جاتا تو بجائے ۱/۶ حصہ کے (جو والدہ کا اور والد کا مقرر ہے) ان کو کوئی اور حصہ دیا جاتا۔

استحقاقِ وراثت میں اصول یہ ہے کہ جو شخص متوفی کو زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو وہ اس کے ترکہ کا زیادہ مستحق ہوتا ہے جیسا کہ آیۂ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے

(۱) لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعاً۔ (۴/۱۱)

(۱) تم کو معلوم نہیں ہے کہ وراثت کے دعویداروں میں سے تم کو کس سے زیادہ فائدہ کی توقع ہو سکتی ہے۔

عصبات کے متعلق جو حدیث اُوپر نقل کی گئی ہے اس میں بھی اَولٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ کو مابقی لینے کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ اَولٰی کے معنے لغت میں احریٰ اور "سزاوار" ہیں یعنی وہ شخص باقی ماندہ حصہ لینے کا حقدار ہوتا ہے جو وراثت کا اہل اور بلحاظ حالات کے مستحق ہو۔

آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین کا کوئی ایسا فیصلہ نہیں ملتا جس میں پوتا بموجودگی عم (چچا) وراثت جد خود سے محروم کیا گیا ہو۔ فقہاء نے صرف اس اصول پر پوتے کو خارج کیا ہے کہ قریب تر بعید تر کو وراثت سے محروم کرتا ہے

لیکن جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے خود فقہاء نے پوتے کو بیٹا تصور کر کے اور پوتی کو بیٹی تصور کر کے حصّہ دلایا ہے۔ اور پوتے کو بیٹا اور پوتی کو بیٹی بنایا ہے۔ دیکھو تمثیلاتِ ذیل:۔

مسئلہ

(۱) متوفی

بیٹا — ۲/۳

بیٹی — ۱/۳ } لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْن کے اصول کے مطابق (مرد کا حصّہ عورت کے دو چند حصّہ کے برابر)

مسئلہ

(۲) متوفی

پوتا — ۲/۳

پوتی — ۱/۳ } لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْن کے اصول کے مطابق۔
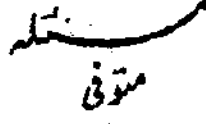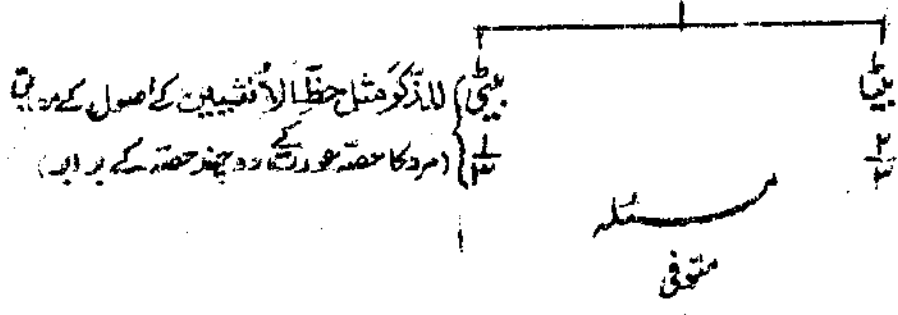
واضح ہو کہ قرآن میں یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْن آیا ہے۔ اس تمثیل میں پوتے اور پوتی کو اولاد تسلیم کرتے ہوئے ان کو بیٹے اور بیٹی کی طرح فقہاء نے حصّہ دلایا ہے۔

مسئلہ

(۳) متوفی

دو دختران — ۲/۳

ایک بھائی — ۱/۳ — باقی بطور عصبہ

مسئلہ

(۴) متوفی

دختر — ۱/۲

بھائی — ۱/۲ — باقی بطور عصبہ

مسئلہ

(۵) متوفی

دو پوتیاں — ۲/۳

ایک بھائی — ۱/۳ — باقی بطور عصبہ

مسئلہ (۴)

متوفی

پوتی	بھائی
½	½ - باقی بطور عصبہ

جس طرح حسب تمثیلات مندرجہ بالا پوتے اور پوتی کو بیٹے اور بیٹی کی طرح حصہ دلایا گیا ہے۔ اسی طرح جد (دادا) کو اَبْ (باپ) اور جدّہ (دادی) کو اُمّ (ماں) تصور کرکے حصہ دلایا ہے۔ دیکھو تمثیل ہائے ذیل :-

مسئلہ (۱)

متوفی

باپ	ماں	بیٹا
⅙	⅙	⅔ - باقی بطور عصبہ

مسئلہ (۲)

متوفی

دادا	دادی	بیٹا
⅙	⅙	[illegible] - باقی بطور عصبہ

چونکہ پوتا اور پوتی اولاد میں شامل تھے اور دادا اور دادی ابوین (ماں باپ) میں شامل تھے اسلئے قرآن نے علیحدہ طور پر ان کی وراثت کا ذکر نہیں کیا۔ لغات عرب میں بھی دادی کو ماں میں شامل کیا گیا ہے۔

الام بازاء الاب وھی الوالدۃ القریبۃ التی ولدتہ والبعیدۃ التی ولدت من ولدتہ ولھذا قیل للحواء ھی اُمّنا وان کان بیننا وبینہا وسائط ...
... وسمی اللہ تعالیٰ ازواج النبی اُمّہات المؤمنین فقال ازواجہ اُمّہاتہم"

(مفردات راغب)

یعنی "اُمّ (ماں) بمقابلہ والد ہوتی ہے اور وہ قریبی بھی ہوتی ہے۔ جس نے خود کسی شخص کو جنا ہو۔ اور وہ بعیدی بھی ہوتی ہے جس نے اس کو جنا ہو جس نے اس شخص کو جنا ہو یعنی نانی۔ اسی لئے حوا ہماری ماں کہلاتی ہے۔ اگرچہ اس کے اور ہمارے مابین کئی وسائط ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے آنحضرت کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں کہا۔ پھر کہا آنحضرت کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں"

جب وراثت کے معاملات میں پوتا بیٹا بن گیا اور پوتی بیٹی کی حیثیت اختیار کرگئی تو قُرب اور بُعد کا سوال اُٹھ گیا۔ اور پوتا بیٹا بن کر ہمراہ عم خود وارث ہوگیا۔ اگر بغرض بحث اس کو بیٹا نہ بھی تصور کیا جائے اور پوتا ہی رہنے دیا جائے

تو بھی بحیثیت قائم مقام والد خود وارث ہو جاتا ہے اور چچا کی موجودگی اس کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی کیونکہ چچا اپنی لائن میں ہے اور پوتا اپنی لائن میں بجائے پدر متوفی خود ہے۔

معلوم نہیں فقہاء نے اصول قائم مقامی کو کیوں تسلیم نہیں کیا جس کو تقریباً تمام قوموں نے تسلیم کیا ہے۔ بلکہ مسلمانوں میں بھی اہلِ شیعہ نے ایک حد تک اس کو تسلیم کیا ہے اگرچہ قرب اور بُعد کے چکر میں آکر انہوں نے بھی چچا کی موجودگی میں پوتے کو محروم الارث کر دیا ہے۔ مارچ ۱۹۴۸ء سے پہلے جبکہ شریعت ایکٹ پنجاب میں نافذ ہوا قائم مقامی کے اصول پر فیصلے ہوتے تھے اور پوتے کے محروم الارث ہونے کا سوال زراعت پیشہ قوموں میں جو پابند رواج ہیں اور ہندوؤں میں جو ہندو لاء کے پابند تھے، نہیں تھا۔ اب پنجاب کونسل میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے اور کونسل نے اس پر بحث کرنا منظور کر لیا ہے کہ پوتا بموجودگی عم خود اپنے دادا کی وراثت پا سکتا ہے یا نہیں۔ اور کہ شریعت ایکٹ میں ترمیم کی جائے اور پوتا کو وارث قرار دیا جائے۔

آیا پنجاب اسمبلی کو وراثتِ شرعی کے سوال پر فیصلہ صادر کرنے کا اختیار ہے یا نہیں میرے موضوعِ بحث سے خارج ہے لیکن اگر اسمبلی میں ایسے افرادِ اُمت موجود ہوں جو مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں تو پھر حضرت معاذؓ والی حدیث مندرجہ بالا کے مطابق ایسا فیصلہ شریعت کے تحت ہو سکتا ہے۔

چونکہ فقہاء نے اصولِ قائم مقامی کو تسلیم نہیں کیا اور یہ اصول بنا دیا ہے کہ پوتا اپنے متوفی باپ کا قائم مقام ہو کر دادا کی وراثت نہیں پا سکتا اسلئے ان کو یہ اصول بنانا پڑا کہ تمام پوتے جو مختلف باپوں کے پسر ہوں سرشماری کے طریق پر ورثہ پا سکتے ہیں۔ اور اس طریق پر ورثہ تقسیم کرنے سے بعض دفعہ صریح بے انصافی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ تمثیلِ ذیل سے واضح ہوگا۔

مسئلہ

متوفی

زید پسر — بکر $\frac{1}{8}$

خالد پسر — شریف $\frac{1}{8}$ ۔ نذیر $\frac{1}{8}$ ۔ بشیر $\frac{1}{8}$

حامد پسر — نصیر $\frac{1}{8}$ ۔ ظہیر $\frac{1}{8}$ ۔ سعید $\frac{1}{8}$ ۔ ولید $\frac{1}{8}$

نعیم پسر جو بحیات والد خود مر گیا — عمر محروم

تمثیل ہذا میں متوفی کے چار پسر تھے جو اس کی یکساں خدمت کرتے تھے۔ اگر انصاف سے ورثہ تقسیم ہوتا تو ہر ایک پسر کی اولاد کو $\frac{1}{4}$ حصہ کل ترکہ کا ملتا لیکن سرشماری کے اصول نے زید کی اولاد کو $\frac{1}{8}$ حصہ، خالد کی اولاد کو $\frac{3}{8}$ حصہ، حامد کی اولاد کو $\frac{4}{8}$ حصہ دلایا اور نعیم کے پسر عمر کو بالکل محروم کر دیا۔ جس کا پرورش کرنے والا کوئی نہیں۔ والدہ، دادی، نانا، نانی، ماموں سب فوت ہو چکے ہیں اور سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ در بدر بھیک مانگتا پھرے یا محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالے۔ حالانکہ اس کے دادا نے لاکھوں روپے کی جائداد چھوڑی جو اس کے چچا زاد بھائی لے گئے۔

مرشماری سکے اصول تقسیم ترکہ کی کوئی سند کتاب و سنت سے نہیں ملتی۔ صرف اجماع کے نام پر اس اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ اجماع کے متعلق فقہا میں اختلاف ہے۔

"اجماع امت کسی روایت پر مبنی ہونا چاہیئے اگرچہ وہ روایت مشہور نہ ہو۔ اور وہ روایت آنحضرت تک پہنچنی چاہیئے۔ کیونکہ کسی کو وارث بنانا یا اس کو وراثت سے محروم کرنا محض عقل سے ممکن نہیں ہے۔

شیخ الاسلام (علامہ تفتازانی) کے قول کے مطابق علماء عصر کے امر واحد پر متفق ہونے کا نام اجماع ہے جس میں کوئی شرط نہ ہو۔ امام مالکؒ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اہل مدینہ کا اجماع ہونا لازمی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ عترت رسول کا اجماع ہونا چاہیئے۔" (حاشیہ ملا صفوت شریفیہ شرح سراجیہ)

اس وقت مسلمانوں کی سلطنتیں اور ریاستیں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ پاکستان، ترکی، ایران، افغانستان، مصر، لبنان، شام، اردن، عراق، عرب، سعودی عرب، ٹیونس وغیرہ ممالک کے علماء کا ایک امر واحد پر متفق ہونا ناممکن ہے۔ اسلئے اگر کسی امر کے متعلق کوئی سند نہ ہو تو صرف اجتہاد پر جو انصاف اور تقویٰ پر مبنی ہو فیصلہ ہو سکتا ہے۔

جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے پوتے کا چچا کی موجودگی میں دادا کی جائداد سے محروم ہونا عقل اور ضمیر اور انسانی پیدائشی حقوق کے خلاف ہے۔ قرآن اس کے وارث ہونے کی تائید کرتا ہے۔ اسلئے اگر پنجاب اسمبلی کوئی ایسا ایکٹ پاس کرے جس سے پوتا موجودگی چچا دادا کی جائداد کا وارث ہو سکے تو ایسا ایکٹ شریعت میں مداخلت کی حد تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کا ذکر قرآن مجید میں

مکرم مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری فاضل کا یہ لطیف اور عمیق مضمون دیر سے آیا ہوا تھا۔ آپ نے حساب الجمل کے مطابق اس مضمون میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی زندگی کے بعض سالوں کا ذکر کرتے ہوئے ۱۹۵۴ء کے متعلق لکھا تھا کہ "آئندہ زمانہ خود شہادت دیگا" اور یہ عجیب بات ہے کہ حضور ایدہ اللہ بنصرہ پر۔ اب مارچ ۱۹۵۴ء کے بزدلانہ حملہ کے بعد یہ مضمون شائع ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ حضور کو لمبی اور باصحت و کامران زندگی عطا فرمائے۔ آمین ——— (ایڈیٹر)

یک دفعہ حضرت مولانا شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مضمون لکھا تھا اور اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ الودود سے ایک روایت درج کی تھی کہ حضور نے فرمایا "کھیعص میں میرا ذکر ہے۔" اس پر خاکسار نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ اس کا انکشاف مجھ پر بھی ہو تاکہ علیٰ وجہ البصیرت ہو کر اطمینان قلب حاصل کرسکوں۔ بعد میں جب خاکسار نے الفاظ کھیعص پر غور کرنا شروع کیا تو میرے دل میں ڈالا گیا کہ اس میں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کے الہامی ناموں کا تذکرہ ہے۔ بایں طور کہ:۔

ک سے مراد کلمۃ اللہ۔ کلمۃ العزیز (تذکرہ صفحہ ۵۶)

ھ " " ھٰذا یوم مبارک (" ")

یا " " یحییٰ۔ یوسف۔ انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ۔ (تذکرہ صفحہ ۶۸۵)

انظر الی یوسف و اقبالہٗ (" صفحہ ۲۱۰)

ع " " عالم کباب (تذکرہ صفحہ ۵۶۳) عمانوئیل (تذکرہ صفحہ ۲۸۰)

ص سے مراد صیّب من السماء (تذکرہ صفحہ ۱۶۲)

اس کے بعد جب میں نے ان حروف کے اعداد پر بحساب جمل ابجد غور کرنا شروع کیا تاکہ حضور کی زندگی کے واقعات کی طرف بھی کہیں اشارہ پاسکوں۔ ابھی دو ایک حروف مقطعات کو جمع کیا تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ گویا میری دماغی رَو میں دو تین جھٹکے سے لگے۔ اسی طرح کہ بجلی کی رَو آگے کو چلتی ہوئی دھکا کھا کر کہیں پیچھے کو ہٹتی ہے۔ دو تین مرتبہ یہ کیفیت مجھ پر طاری ہوئی۔ پہلے تو میں اسے نہ سمجھ سکا مگر آخر غور کرنے پر یہ حقیقت کھلی کہ الٰہی مشیت یہی معلوم ہوتی ہے کہ میں ان حروف کو نہ صرف جمع ہی کروں بلکہ چند ایک مرتبہ تفریق کے ذریعہ گویا پیچھے بھی ہٹوں۔ اس طرح تفریق کا عمل کرکے مجھ پر بعض نئے سنین اور ان میں پیدا ہونیوالے واقعات کا بھی انکشاف ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ اب اس کا میں ایک خاکہ پیش کرتا ہوں جس سے ان حروف کے اعداد کے ذریعہ حضور کی عمر کے سال اور وہ واقعات جو ان سنوں میں پیش آئے یا آنے والے ہیں آپ جائزہ لے سکیں۔

مقطعہ	حضور کی عمر	سن عیسوی	پیش آنے والے واقعات
ک =	۲۰ سال	۱۹۰۹ء	اس سن میں آپ کو رؤیا میں اپنی خلافت کے عہد میں پیش آنے والے فتنہ کا انجام دکھایا گیا کہ اس فتنہ کی آگ بھڑکنے سے (عمائدین جماعت میں سے) بعض شہتیر جل کر راکھ ہوگئے۔ (دیکھو الحکم خلافت جوبلی نمبر صفحہ ۲۹)
ک + ہ =	۲۵ سال	۱۹۱۴ء	اس سن میں حضور سریر آرائے مسند خلافت ہوئے۔
ک + ہ + ی =	۳۵ 〃	۱۹۲۴ء	طلوع الشمس من المغرب کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ مغربی اقوام کو حضور نے اسلام کا پیغام پہنچایا اور اسلامی قلعہ مسجد فضل کی بنیاد لندن میں رکھی گئی۔
ع - ک + ہ =	۴۵ 〃	۱۹۳۴ء	تحریک جدید کا افتتاح اور تمام دنیا میں تبلیغ اسلام کا نیا دور شروع ہوا۔
ع - ک =	۵۰ 〃	۱۹۳۹ء	خلافت جوبلی کا جشن منایا گیا۔ صحف اولیٰ کی پیشگوئی پوری ہوئی۔
ع - ہ + ی =	۵۵ 〃	۱۹۴۴ء	مصلح موعود ہونے کا الہامی اعلان اور تحریک جدید دور دوم کا افتتاح ہوا۔
ع - ی =	۶۰ 〃	۱۹۴۹ء	ربوہ مقدسہ کی بنیاد پڑی۔ بعض مناسبتوں سے مدنی دور کا آغاز ہوا۔
ع - ہ =	۶۵ 〃	۱۹۵۴ء	آئندہ زمانہ خود شہادت ادا کریگا۔
ع =	۷۰ 〃	۱۹۵۹ء	
ع + ہ =	۷۵ 〃	۱۹۶۴ء	ستبدی لک الایام ما کنت جاھلاً
ع + ی =	۸۰ 〃	۱۹۶۹ء	ویاتیک بالاخبار من لم تزوّد۔
ع + ہ + ی =	۸۵ 〃	۱۹۷۴ء	
ص =	۹۰ 〃	۱۹۷۹ء	

اسکے بعد میں آگے کچھ اور لکھنے ہی لگا تھا کہ زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے "خاموش نعمت اللہ اسرار حق مکن فاش"۔ جب میری توجہ ادھر ہوئی تو میں سہم گیا اور اشارہ الٰہی پانے پر قلم ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ ۲ دسمبر ۱۹۴۲ء (۱۱ بجے رات) مقام احمد نگر ضلع جھنگ کا ہے۔ پھر جب میں نے اس بارہ میں مزید تفتیش کی تو بفضلہ تعالیٰ ایمان افزا بشارت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک روایت بھی مل گئی جو درج ذیل ہے:۔ (باقی صفحہ ۴۲ پر)

سائنس تلاش باری تعالیٰ میں

{ذیل کا قیمتی مضمون Every Body's digest سے مکرم منظور احمد صاحب بی ایس سی بی ٹی نے نظارت تعلیم و تربیت کی تحریک پر ترجمہ کیا ہے ——— (ایڈیٹر)}

"میرا خیال تھا کہ سائنس مجھے خدا کے متعلق کچھ بتلا سکے گی۔ ٹیلی ویژن اور اسی جیسی متعدد ایجادیں جن کے متعلق میرے نظریات صحیح نہیں تھے سائنس نے ان کی وضاحت کی۔ شاید خدا پر ایمان اور اس سے انکار کے راز اس کے اندر ہی پوشیدہ رہتے ہیں۔ اسلئے میرے اندر یہ طبعی خواہش بیدار ہوئی کہ قریب سے دیکھ کر جستجو کی جائے۔ پس میں تجربہ گاہوں میں داخل ہوا اور سائنسدانوں کو ان بنسن برنروں، ریٹارٹوں اور سائیکلوٹرونوں سمیت ان کی دماغی کاوشوں سے نکال کر انہیں بہت دور لے گیا اور ہم نے خدا کی ہستی کے بارے میں تبادلۂ خیالات کیا۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان میں سے ایک مشہور ماہر معدنیات ڈاکٹر پال تھے۔ مجھے سائنس کے لئے جس ادراک کی ضرورت تھی وہ انہوں نے مہیا کیا کیونکہ زمین وہ زمین نہیں رہی جس کی ہم آج تک شکلیں کھینچتے رہے ہیں۔ اور انسان بھی وہ انسان نہیں رہا جس کا ہم تصور کیا کرتے تھے۔ اسلئے مطالعۂ سائنس کے دوران میں ہمیں اپنے احساسات کو بہت تیز رکھنا پڑتا ہے کیونکہ اب 'کون'، 'مکان'، 'کائنات' اور اس کی تمام اشیاء کو بالکل بدلے ہوئے نقطۂ نگاہ سے دیکھنا پڑتا ہے۔"

میں ڈاکٹر Kerr کو کولمبیا یونیورسٹی میں انکی تجربہ گاہ کے اندر ملا۔ باتوں باتوں میں وہ تجربہ گاہ کے ایک کونے میں پڑی ہوئی میز سے ایک بھدا سا لوہے کا ٹکڑا اٹھا لائے اور کہنے لگے:-

"یہ کہیں سے زمین پر گر پڑا ہے جہاں سے یہ آیا ہے وہ کائنات کس قسم کی ہے کیا ہماری خواہش نہیں کہ ہم یہ جانیں؟"

چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر Kerr نے ایک روئی سے بھرے ہوئے بکس میں سے کوئلے کی مانند سیاہ ٹکڑا نکالا۔

"یہ یورینیم آکسائڈ ہے جو متواتر ریڈیائی قوت خارج کرتا رہتا ہے اور پیچھے سیسہ رہ جاتا ہے۔ بچے ہوئے سیسے کی مقدار معلوم کر کے ہم اس ٹکڑے کی عمر معلوم کر سکتے ہیں۔"

میں نے پوچھا "اس کی عمر کتنی ہے؟"

"قریباً ۹۴۴،۰۰۰،۰۰۰ اور ۹۵۰،۰۰۰،۰۰۰ سالوں کے درمیان۔"

"اوہ!"

"لیکن یہ تو کچھ بھی نہیں۔ سائنسدانوں کے ساتھ کچھ مدت گزارو تو تمہاری خوراک ہی 'اوہ'، 'آہ' ہی 'ہاں' پر مشتمل ہوگی۔"

علم النجوم کے ماہرین نے مجھے بتایا کہ "یہ سورج ہمارے اپنے ثوابت کے مجموعوں کے ۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ سورجوں میں سے ایک سورج ہے اور ایسے مجموعے کم از کم ۱،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ہیں (یاد رہے کہ ہر ثابت (ستارہ) کے گرد مختلف سیاروں کے

مجموعے گھوم رہے ہیں (مترجم)) یہ اعداد وشمار اس کائنات کے ہیں جو ہمارے مشاہدات میں آچکے ہیں۔ یہ زمین سے ۱۲،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ میلوں تک پھیلے ہوئے اجتماعوں کا نقشہ ہے۔"

"ہائیڈروجن بم کتنا بڑا ہوگا؟"

"ایک انچ کے ہزار حصے کئے جائیں۔ اُن میں سے ہر حصہ حصہ پھر ایک اور ۱۰۰ پہ تقسیم کرو۔ اس طرح ایک لاکھویں حصے کو دوبارہ ۱۰۰ پہ تقسیم کرکے ۲ پہ تقسیم کرو۔ اس طریق پہ ہائیڈروجن کے ایک ایٹم کا قطرہ معلوم ہوسکیگا۔ Nuclear physics (ذراتی علم طبیعی) کی تصریحات کے مطابق ہائیڈروجن کے ایک ایٹم کا Nucleus (قلب) اگر گیند کے برابر فرض کیا جائے تو اس کے گرد حرکت کرنے والے الیکٹرون (electron) ایک میل دُور بطور نقطہ نظر آئے گا۔

غرضیکہ مجھے اس چیز کی تلاش تھی کہ اتنی باریکیوں میں لپٹے ہوئے نظام کے اندر کیا "خدا" کے لئے بھی کوئی جگہ ہے؟ میں نے سائنسدانوں کے پاس جاکر اُن سے دریافت کیا کہ کائنات کی گہرائیوں کو ماپتے ہوئے اور ایٹم کی پیچیدگیوں کو سلجھاتے ہوئے انہیں کبھی خدا کا بھی پتہ چلا یا خدا کے وجود کے متعلق ان کی کیا رائے ہے یا اس کی ہستی کا ان کو کبھی احساس بھی ہوا ہے یا نہیں۔ کیا ان کو اپنی سیرگاہ عالم عظیم میں جس کا غیر سائنسدان ادراک بھی نہیں کرسکتے یا ذرہ مقراطیسی کے عالم صغیر میں خدا کا اتا پتا بھی ملا کہ وہ 'ہے' بھی یا 'نہیں'۔ یا ان پر ثابت ہوگیا ہے کہ خدا بالکل ہے ہی نہیں۔ کیا اس اربوں کھربوں میل کے وسیع عالم کبیر میں یا اس کے نظام صغیر کے کھربویں حصہ میں کسی خدا پر ایمان لانے کی گنجائش بھی ہے یا نہیں۔ یا پھر سائنس کی موجودہ ترقی یافتہ تحقیق کی رُو سے خدا کا خیال ایک تقویم پارینہ ہے؟

ڈاکٹر Hess پدر چیو کے ٹکڑے اور شہاب ثاقب کے ٹکڑے کو تجربہ گاہ میں واپس رکھتے ہوئے بولے: "میرا دل نہیں مانتا کہ سائنس کے تمام حقائق محض اتفاقی حادثے ہیں۔ زمین کے متعلق جتنی بھی زیادہ تحقیق کی جائے اتنا ہی ثابت ہوتا جاتا ہے کہ اس کا وجود حق وحکمت پہ مبنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز باطل پیدا نہیں کی۔ ہماری معلومات ہمارے ایمان کیلئے باعث تقویت ہیں۔ بعض دوسرے سائنسدانوں کی طرح میرا یہ عقیدہ نہیں کہ ہمارے عقائد آہستہ آہستہ باطل ہو رہے ہیں بلکہ میرا یہ خیال ہے کہ اب توہمات کی دنیا سے نکل کر ہم ایمان کی روح (enerma) کے قریب تر ہو رہے ہیں۔"

میں نے پوچھا "روح سے قریب" سے آپ کا مفہوم کیا ہے؟

ڈاکٹر نے جواب دیا:-

"زمین کے متعلق تحقیقات نے مجھے ایک بالا ہستی کا علمی طور پر قائل کردیا ہے۔ بلکہ مجھے اب پورے یقین سے علم ہوگیا ہے کہ خدا واقعی ہے۔ تمہیں علم ہے کہ سابق فلسفہ دانوں کا محض قیاس تھا کہ خدا ہونا چاہیئے یا ہے مگر ہمارے پاس اپنے خدا پر ایمان کے شواہد موجود ہیں۔ ہم نے اس کی صناعی کو دیکھا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا ضرور ہے اور یقیناً ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں قدیم زمانے کے انسانوں نے صرف فلسفیانہ دلائل کی بنا پر خدا کی ہستی کا اقرار کیا تھا اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے اور ان کا خدا تھرڈ کلاس نہیں بلکہ فورتھ کلاس خدا ہے۔ موجودہ دَور کا انسان جس نے ننھے ایٹم کی ننھی دنیا سے لیکر عالم کبیر (Cosmos) تک کی سیرگاہ دیکھی ہے وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی تخلیق کو دیکھ کر انسانی عقلیں حیرت میں ڈوب جاتی ہیں۔ ہمارا یقین ایک اعلیٰ اور ارفع خدا پر ہے جس کی تخلیق اس قدر عظیم الشان اور عقل انسانی سے کہیں بالا ہے کیونکہ ہم خوش قسمتی سے ایک ایسے دَور میں پیدا ہوتے ہیں جبکہ اس کی قدرت اور بزرگی کے

ہزاروں مظاہر ہمارے چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں۔

ڈاکٹر Kerr جیسے سائنسدان یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی ہر نئی دریافت خدا کی عظمت اور بزرگی میں اضافہ کر رہی ہے۔ درحقیقت وہ ایمان کے لئے دلائل کے انبار لگا رہے ہیں۔ ڈاکٹر Kerr نے جو معدنیات کے ماہر ہیں اپنے تمام ثبوت زمین کے مطالعہ سے اخذ کئے ہیں۔

جونہی ہم ان کی تجربہ گاہ سے نکلے اور کولمبیا (نیویارک) یونیورسٹی کی عمارت کے باہر کھڑے ہوتے میں نے اندر داخل ہونے کی جگہ پر ایک پتھر نصب شدہ دیکھا۔ اس پر پُرانے عہدنامے کی یہ آیت کندہ تھی:۔

"زمین سے پوچھو یہ تمہیں بتلائے گی"

اس کے برخلاف کلیولینڈ میں ڈاکٹر جیسن کا بیان سُن کر۔ ان کا بیان زمین کی پوچھ گچھ پر مبنی نہیں وہ آسمان سے باتیں کہتے ہیں۔ وہ علم النجوم کے ماہر ہیں اور ۱۲۶ انچ کی دُور بین سے مشاہداتِ فلک کر رہے ہیں۔ علم النجوم کے اس ماہر نے کہا "یہ مجھے حیران کر دیتی ہے۔ کائنات کا پھیلاؤ مجھے اتنا متاثر نہیں کرتا جتنا کہ مجھے اس چیز پر حیرت آتی ہے کہ انسانی ذہن کائنات کی پیچیدگیوں تک کیسے رسائی حاصل کر رہا ہے"

"صفحہ ہستی پر پھرنے والا یہ چھوٹا سا حیوان اپنے اندر ایک عجیب مشین رکھتا ہے جسے 'دماغ' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ مشین اس کائنات کی حدود کو چیر کر باہر بھی جا سکتی ہے" وہ کہنے لگے "میں سمجھتا ہوں ایمان کی روح ایک راز ہے جو انسان کے کائنات کے ساتھ تعلق میں پوشیدہ ہے۔ کائنات کا مطالعہ خدا میں یقین کی "تخلیق" نہیں کر سکتا کیونکہ یہ دُنیا ایک مادی چیز اور خدا ایک روحانی ہستی ہے لیکن اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو کائنات پر غور کرو اسکے پھیلاؤ اور اسکی پیچیدگیوں پر تفکر کرنے سے آپ کو زندہ ایمان ملیگا۔ میرا ایمان تو ضرور مضبوط ہو رہا ہے۔

انسان کہاں سے آیا؟ بہت پہلے کی بات ہے کہ گلیلیو (Galileo) نے یہ کہہ کر خطرناک غلطی کی تھی کہ کائنات کا مرکز زمین نہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس طرح انسان کی اہمیت کو گرانا چاہتا تھا۔ اس کے خیال میں انسان کی ہستی کیسے اتنی اہم ہو سکتی تھی حالانکہ وہ ایک سورج کے گرد گھومنے والے ستارے پر ایک ادنیٰ سی چیز ہے لیکن ڈاکٹر شلٹ (Schilt) نے انسان کی اہمیت کے متعلق کہا کہ سائنسدان اس کے ادنیٰ ہونے کا تب شکوہ کرتے اگر انہوں نے اس کو مزید معزز بنانے کے لئے کچھ سعی کی ہوتی۔ کائنات کے ....۱ اجتماعوں میں سے ہر اجتماع اپنے اندر ....۱ سورج رکھتا ہے اور ان میں سے ہر ایک سورج کے گرد زمین گھوم رہی ہے اور اس پر انسان نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

ماہر علم النجوم نے جواب دیا "ان ستاروں کے مختلف نظاموں کی پیچیدگیاں محض مصنوعی کھیلیں ہیں۔ ہمیں ان سب سے الگ ہو کر اس شاہد کو دیکھنا ہے جو نیلا ہے۔ کسی شاہد کے بغیر کائنات محض ایک کاغذی دُنیا ہے۔ اب اگر زمین ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں ایک مشاہدہ کرنیوالی ہستی موجود ہے تو پھر زمین یقیناً کائنات کا مرکز ہے"

"یہ مان لیا جائے کہ ستاروں کے اور بھی کئی نظام ہیں تو کیوں نہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ ہمارے نظام سے باہر ستاروں کا کوئی نظام نہیں۔ اسی طرح اگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے ستاروں پر بھی زندگی کا امکان ہے تو یہ بھی اتنے ہی وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہماری زمین کے علاوہ زندگی کے آثار کہیں بھی نہیں ملتے۔ مریخ پر بعض سائنسدانوں کے خیال کے مطابق گھاس کے آثار ہیں لیکن وہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو وہ بھی زمین کے اثرات ہیں۔ یہ باتیں میرے ایمان کو پختہ تر

کر دیتی ہیں۔ مجھے یہ دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی میرا خیال ہے کہ دوسرے ماہرین علم النجوم میری اتباع کریں۔ اگر ڈاکٹر Schilt اپنی رائے میں درست ہیں تو گلیلیو (Galileo) کے زمانے کی نسبت انسان کی اہمیت بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ اب تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اربوں اسب سورج صرف انسان کی زندگی کی خاطر روشنی کی قندیلیں ہیں"

نیویارک میں پرل (Pearl) دریا کی تجربہ گاہ کے اندر میں نے ڈاکٹر ڈگر (Duggar) سے گفتگو کی۔ یہ ڈاکٹر وہی ہیں جنہوں نے Aureomycin دریافت کی ہے۔ بحیثیت ایک ماہر علم النباتات ڈاکٹر ڈگر سائنس کے مشکل ترین مسائل پر طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ وہ اس چیز کے متلاشی تھے کہ زندگی کی بنیاد کیا ہے۔ درحقیقت ڈاکٹر ڈگر نے زندگی کی تخلیق کی کوشش کی۔

Wisconsin کی یونیورسٹی میں ۱۹۳۰ء سے لے کر انہوں نے ۵ سال اس کوشش میں لگائے کہ بے جان اشیاء میں جان پیدا کی جائے۔ انہوں نے ان مرکبات کو استعمال کیا جو زندہ چیزوں میں پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے کاربن اور نائٹروجن کے استعمال کو مختلف طریق پر آزمایا حرارت اور تقطیر سے ان تمام کو ناقابل حیات بنا دیا ان کو صراحیوں میں ڈال کر پیدائش کے محرک کمروں میں رکھا گیا مختلف وقتوں کے بعد ان کا مشاہدہ کیا گیا۔ ۵ سال کے عرصہ میں انہوں نے اس تجربہ کو درجنوں مرتبہ بدل بدل کر بھی نئے طریقوں کو آزماتے ہوئے کیا۔ نئی صورت حال اور نئی تبدیلیوں کو بھی نگاہ میں رکھا۔ لیکن آخرکار انہوں نے یہ نتیجہ نکالا :-

"ہم ان تجربوں سے حیوٰۃ کی امید بھی پیدا نہ کر سکے۔

میں نے سوال کیا۔ کیا آپ نے حیوٰۃ کے تمام اجزاء کو اکٹھا ملایا ؟

انہوں نے کہا "بالکل ! لیکن پھر بھی یہ حیوٰۃ نہیں تھی"

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور یہی بات ہمیشہ سائنسدانوں کے لئے مسئلہ لاینحل رہی ہے کہ حیوٰۃ کیا چیز ہے۔ ڈاکٹر ڈگر نے حیوٰۃ پیدا کرنے کی کوشش کی مگر اس کا تجربہ ناکام رہا۔ زندگی کی تخلیق میں ڈاکٹر ڈگر کی ناکامی ایک منفی تجربہ نہیں بلکہ سائنسدانوں کے تعمیری فلسفہ کا ایک حصہ ہے۔ اٹھتر سال کی عمر میں ڈاکٹر ڈگر (Aureomycin کی ایجاد کے وقت ان کی عمر ۷۶ سال تھی) نے عجائبات سائنس کا جی بھر کر مشاہدہ کر لیا تھا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ چیز کہ اس تمام نظام کا کوئی خالق ہے یا یہ سب کچھ خدا ہے۔ میرے نزدیک اب چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔ خدا کی ہستی کا انکار ہو نہیں سکتا۔

میں نے مزید کرید کر پوچھا کہ سائنس کے اصولوں کے مطابق خدا کی آخر ضرورت کیا ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ "نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ یہ سب کچھ جو موجود ہے وہ کہاں سے آ گیا ؟"

ڈیٹرائٹ کی وین (Wayne) یونیورسٹی میں مشہور Anthropologist (علم الانسان کے ماہر ڈاکٹر لیچلس (Lechlas) نے حیوٰۃ کے ظہور کے متعلق دو نظریوں کا ذکر کیا۔ ایک نظریے کے مطابق کائنات کی بے جان چیزوں میں کسی وقت خود بخود جان پیدا ہو گئی اور جاندار اشیاء زمین پر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں آئیں۔ یہ غیر جنس یا غلط ملط نظریہ حیوٰۃ ہے کہ ایک چیز سے اس کے بالکل مختلف شئے پیدا ہو گئی۔ اور دوسرا نظریہ یہ ہے کہ حیوٰۃ یعنی جاندار مواد دوسرے سیاروں سے ہماری زمین پر شہاب ثاقب کے ذریعہ سے آیا جیسا کہ غیر منقسم ہندوستان میں جناب دیانند کا خیال تھا لیکن وہ اس پر قائم نہ رہے تھے۔

یہ کہتے ہی ڈاکٹر صاحب نے اپنی کرسی کو پھیرا اور پیٹ

بولے کہ یہ تو مصادرہ علی المطلوب ہے، یہ دعوے کو ثبوت کے طور پر پیش کرنے کے مترادف ہے۔ درحقیقت سوال رُوح اور مادہ کا ہے۔ رُوحانیت اور مادیت کیا ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ حیوٰۃ کیا شئے ہے؟ اکثر لوگ تو اسے اتفاقیہ امر قرار دیتے یا اکتفا کر لیتے ہیں مگر محض یہ کہہ دینا کہ یہ محض اتفاق ہے یہ بھی تسلیم کرنا ہے کہ اس کے پیچھے بھی کوئی قانون اور قاعدہ ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ کس کا قانون ہے۔

میں ذاتی طور پر خالق کے عقیدے کو ترجیح دیتا ہوں۔ خالق جو ازلی اور بالا رادہ ہستی ہے گو ہماری عقلوں سے بالا ہے لیکن میں خالق کے عقیدہ کو ترک کر کے ابتری، لاقانونی اور گڈمڈ کا قائل نہیں۔ نظام کو بدانتظامی پر عقیدہ کے لحاظ سے ترجیح دیتا ہوں۔"

ایسے تمام سائنسدان جن سے میری ملاقات ہو سکی اُن میں سے بعض دہریے بھی تھے اور کئی بالکل لاادری کے قائل تھے۔ ایک نوجوان ماہر طبیعات نے صاف صاف کہا

"تم خدا کو محسوس کر دیا نہ کرو میں اسے محسوس نہیں کرتا۔ میرے خیال میں یہ محبت کے اظہار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خدا کی ہستی کا عقیدہ بھی خوب ہے کیونکہ نہ اُسے جھٹلایا جا سکتا ہے اور نہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے میں کسی طرف بھی رائے نہیں رکھتا۔ لیکن جہاں تک ہمارا اور سائنس کے تجربات کا تعلق ہے یہ ایک بچوں کا کھیل ہے جیسے بچہ گھنٹے والے گھڑیال سے کھیل رہا ہو۔ مجھے کوئی خاص دلیل خدا کی ہستی پر یقین کرنے کی نظر نہیں آتی۔"

ایک ماہر علم الابدان نے بیان کیا:۔

"جب بھی میرے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حیوٰۃ کیا ہے تو میرے سامنے ایک بند گلی آجاتی ہے۔ میں اس امر کا مقر ہوں کہ میں کلیتہً اندھیرے میں ہوں اور کوئی روشنی نظر نہیں آتی لیکن پھر بھی میں پسند نہیں کرتا کہ محض ایمان لا کر اس اندھیرے سے نکل آؤں۔ میں اپنے آپ کو دہریہ نہیں کہتا کیونکہ یہ نام بھی ایک عقیدے کا حامل ہے۔ بحیثیت ایک سائنسدان نہ تو خدا ماننے کے میرے پاس دلائل ہیں اور نہ ہی انکار کے میرا عقیدہ لاادری ہے اسلئے علمی تحقیقات یہیں تک میرا ساتھ دیتی ہے کہ میں خدا کے متعلق کچھ علم نہیں رکھتا۔ اگر اجازت ہو تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے کبھی بھی اس سے زیادہ علم نہیں ہو سکے گا۔"

ایک کیمیادان نے اصرار کیا کہ وہ لاعلم نہیں بلکہ دہریہ ہے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کس دلیل کو بنیاد رکھ کر تم اس عقیدے پر قائم ہو تو انہوں نے جواب دیا:۔

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ خدا محبت کا کرشمہ ہے اس کے باوجود دُنیا ایک ایسی بھیانک تباہی سے دوچار ہے جس کے خطرات دن بدن بڑھ رہے ہیں اگر کہیں خدا ہوتا تو وہ ضرور یورینیم ۲۳۵ کے قلب کی ماہیت کو ایسا بنا دیتا کہ اُسے توڑا نہ جاسکے۔ ظاہر ہے کہ پھر ایٹم بم نہ بن سکتا۔"

"جس تجربہ گاہ میں میں کام کرتا ہوں وہاں تو تمام امور کا فیصلہ اعداد و شمار سے ہوتا ہے۔ وہاں نہ تو کسی روح کی ضرورت ہے اور نہ ہی بالا طاقت کی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ زندگی کسی خاص مقصد کی حامل ہے۔ انسان اس سیارہ پر زیادہ عرصہ سے موجود نہیں ہے اور نہ وہ زیادہ عرصہ

یہاں پر رہے گا۔"

برکلن کی تجربہ گاہ پر میں نے دو طبیعات کے ماہرین کو اس مسئلہ پر تبادلۂ خیالات کرتے سنا۔

پہلا:۔"میں ہمیشہ موت کے متعلق متفکر رہتا ہوں میں موت کو ملتوی کر دینے کے متعلق کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اور اسی مقصد کے لئے میں نے سائنس کا مطالعہ کیا میں نے محسوس کیا ہے کہ موت ہر ایک نظام کا اختتام ہے۔"

دوسرا:۔"کیوں؟"

پہلا:۔"موت ہماری زندگی کا آخری منظر ہے۔ اس کے بعد اس کے تمام افعال ختم ہو جاتے ہیں اور یہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتی۔"

دوسرا:۔"تم ایک غیر مادی چیز کے مادی اسباب تلاش کر رہے ہو۔ تم نے خدا کو بھلا دیا ہے۔"

پہلا:۔"کیا خدا ہے؟"

دوسرا:۔"ہاں خدا ہے۔ ضرور ہے۔"

پہلا:۔"تم اسے ثابت نہیں کر سکتے۔"

دوسرا:۔"اچھا یہ بتاؤ کہ دنیا عالم وجود میں کیسے آئی؟"

پہلا:۔"میں نہیں جانتا۔"

دوسرا:۔"کیا تم مانتے ہو کہ کوئی بالا ہستی اس کی خالق نہیں؟"

پہلا:۔"میں نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا ہر وقت سچائی قبول کرنے کے لئے تیار رہوں۔"

دوسرا:۔"تم ایک بالا ہستی کے عقیدے کو کیوں نہیں تسلیم کر لیتے۔"

پہلا:۔"میں درمیانی راہ پر ہی ٹھیک ہوں۔ نہ اقراری نہ انکاری۔"

دوسرا:۔"نہیں۔ تم درمیانی راہ پر نہیں ہو تم نے مخالفانہ رنگ اختیار کر رکھا ہے۔ موت زندگی کی آخری حد ہے۔ یہ آخری حد کیسے ہو سکتی ہے؟"

پہلا:۔"میں صرف عقلی ثبوت چاہتا ہوں۔"

دوسرا:۔"لیکن تم عقل سے اس چیز کو کیسے ثابت کر سکتے ہو جو تمہاری عقل سے بالا ہو۔"

میں نے بیسیوں دفعہ سائنسدانوں کے درمیان ایسے مباحثات سنے۔ اس خاص علاقہ میں جہاں ایٹم بم کے لئے مرکز بنایا گیا ہے میں نے نوجوان ماہرین سائنس کو خوردبینوں کے نیچے باریک کیڑوں کے انکشافات میں بھی مصروف دیکھا اور اس بات میں بھی منہمک پایا کہ آخر یہ راز زندگی کیا ہے۔

چوبیس سالہ روز لینڈ نے کہا کہ "سائنس کے مطالعہ سے میری یہ خواہش تھی کہ میں حیوۃ کی کیفیت کی وضاحت کر سکوں۔ کائنات میں پائی جانے والی اعلیٰ تنظیم کے باعث میں ایک بالا بالا ہستی کا قائل ہوں اور ساتھ ہی اتنے عظیم الشان عالم کے خلق کرنے کی وجہ سے بھی۔ لیکن خدا کے متعلق وہ عقیدہ جو مجھے بچپن میں بتایا گیا تھا میں کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔"

اس مرکز ایٹم بم میں جہاں سائنس اپنی انتہائی حد تک پہنچ چکی ہے۔ ایمان اور سائنس کے درمیان ایسی جھڑپیں ناگزیر تھیں۔

سب سے نادر مشین جو میں نے Brook Raven میں دیکھی وہ Cosmotron (انتہائی ریڈیائی طاقت پیدا کرنے والی مشین) تھی۔ جونہی میں نے چبوترے سے آگے قدم رکھا تو اس حد سے زیادہ پھیلی ہوئی بجلی کی مشین کو دیکھ کر اپنا توازن کھو بیٹھا۔ ہوش آنے پر میں نے محسوس کیا کہ میرے حواس جواب دے رہے تھا۔ چند سیکنڈوں کے بعد مجھے مشین کے گرد کام کرنے والے آدمی نظر آئے۔ یہ آدمی بالکل بھٹکے معلوم ہوتے تھے۔ میں نے مشین کے انچارج سے دریافت کیا کہ تم کیا کر رہے ہو؟

ان کا مقصد صرف ایٹم توڑنا ہی نہ تھا بلکہ ان کی تگ و دو ایٹم کے اندر پائے جانے والے انتہائی باریک ذرات کے پیچھے تھی۔ میں نے پوچھا تم ان تک کیسے پہنچتے ہو؟ ماہر طبیعات نے جواب دیا۔

"ہم قریباً ۱۰ ارب پروٹونوں کو Cosmotron

کے مقناطیسی دائرے میں گھماتے ہیں۔ ان کو اس دائرے میں ۳۰ لاکھ دفعہ گھومنے میں ایک سیکنڈ لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی ثانیہ (روشنی کی رفتار) ہو جاتی ہے۔ اس رفتار پر گھومتے ہوئے پروٹونوں کو ایٹم کے نیوکلیس (قلب) کے ساتھ ٹکرایا جاتا ہے۔ اور اس طرح ایٹم کے پروٹونوں اور نیوٹرون کے متعلق مزید تفصیلی معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔"

میں نے کہا: "یہ تمام درست ہے لیکن یہ سب کچھ کرنے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟"

اس نے کہا: "مقصد! کیسا مقصد؟"

میں نے کہا: "آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

"میں ایک ماہر طبیعات ہوں میں طبیعات اس لئے پسند کرتا ہوں کہ یہ ایک ہنر ہے۔"

میں نے پھر پوچھا کہ کیا آپ کے اس کام کا کوئی روحانی مقصد بھی ہے؟

ماہر طبیعات نے جواب دیا: "بطور سائنسدان مجھے ان سوالوں میں فرق کرنا پڑتا ہے جو بے معنی ہوں اور جو اپنے اندر کوئی معنی رکھتے ہوں۔

"روحانی" اور "نیک" جیسی اصطلاحات زبان پر تو خوب لذت دیتی ہیں اس کے علاوہ ان میں کوئی حقیقت نہیں۔"

میں نے پھر دریافت کیا: "آپ کے خیال میں زندگی کا آخر کوئی مقصد بھی ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "یہ بے معنی بات ہے کیونکہ اس کو جانچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ سب قول یکساں ہیں۔"

کافی لمبے اور غیر موزون وقفے کے بعد ماہر طبیعات دوبارہ بولے: "جب میں بچہ تھا تو مجھے ہمیشہ یہ کہا جاتا تھا کہ مجھے خدا کی ہستی پر ایمان رکھنا چاہیئے لیکن میں نے ان باتوں کو کافی غور و فکر کے بعد لغو اور بے معنی پایا۔ پس میں نے ان خیالات کو اپنے ذہن سے نکال کر ایک دلی سکون اور اطمینان حاصل کیا۔"

میں کئی اور سائنسدانوں سے ملا جن کے خیالات بھی اسی قسم کے تھے۔ وہ ایمان، اور عقیدہ پر گفتگو کے لئے کبھی تیار نہ ہوتے تھے جب تک کہ اسے تجربہ گاہ کی میز پر رکھ کر صحیح یا غلط ثابت نہ کیا جا سکے۔ ان سب میں سے ڈاکٹر ٹیمر ایک مثالی شخصیت رکھتے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں سائنسدان کہلانے کے مستحق ہیں۔ آپ نے بتایا:۔

"جب سنہ ۱۹۵۰ء میں میں نے Ionisation Chamber ایجاد کیا اور رسالوں میں اس کی اشاعت کا انتظار کر رہا تھا تو یکایک مجھ پر مایوسی طاری ہو گئی۔ مجھے ڈر لگنے لگا کہ شاید یہ حقائق کوئی مجھ سے پہلے شائع کر دے۔ میں اکثر غمگین رہنے لگا تو مجھے خدا کی موجودگی کا احساس ہونے لگا۔ میری تب ڈھارس بندھی جب مجھے یہ خیال آیا کہ خدا مجھے توفیق دے گا کہ میں ان حقائق کو سب سے پہلے شائع کروں۔"

میں حیران تھا کہ Brook Raven کی ایٹم کی مشینوں میں کام کرنے والے لوگ خدا کی ہستی کو کیا مقام دیتے ہیں؟ یہ سائنسدان جو سارا سارا دن ان ہیبت ناک مشینوں پر کام کرتے ہیں جن کے اندر ایٹم کے Nuclei (قلوب۔ مراکز) ٹوٹ رہے ہیں۔ کیا یہ اس تمام نظام میں خدا کو کوئی جگہ دیں گے؟ ڈاکٹر فلائڈ اس پیچیدہ کارخانہ سے نکل کر باہر آئے اور ہم دونوں ایک لکڑی کے بنچ پر بیٹھ گئے۔ وہ کہنے لگے:۔

"میں جو اس ایٹم کی مشین پر کام کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ خدا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ

جوہری توانائی آخرکار مفید ثابت ہوگی۔"

میں نے کہا "تب آپ کا خیال ہے کہ خدا خود ایٹم کے ماہرین کے دماغوں پر حکومت کر رہا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا "نہیں! خدا نے صرف اصول وضع کئے ہیں اور ہم ان کو استعمال کر رہے ہیں"

ایٹم کی مشینوں پر کام کرنے والے ایک انجینئر نے کہا۔

" اگر انسان نے ایک ایسا بم تیار کر لیا جو
تمام دنیا کو تباہ کر سکے تو میں نہیں سمجھتا کہ خدا
آکر اس کی تکمیل کو روک دے گا۔ جنگل کی
آگ کو خدا نے کبھی روکا ہے۔"

انجینئر نے پھر کہا:۔

" جوہری طاقت انسان کا بچہ ہے۔ انسان
اس کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے وہ خود اس کا
ذمہ دار ہے۔"

میں نے پوچھا "خدا کے متعلق سائنس کے اصولوں پر گفتگو
کرتے ہوئے آپ اپنے دعوے کا کوئی
ثبوت مہیا کر سکتے ہیں؟"

ڈاکٹر فلانڈر نے جواب دیا:۔ "یقیناً کمیت اور طاقت کے
مادی قوانین کے ذریعے ہم اس
ہیبتناک مشین میں کمیت کو غائب
ہوکر طاقت میں بدلتا دیکھتے ہیں۔
لیکن دورانِ تجربہ میں ہم کمیت
کو گھٹانے اور بڑھانے کی قدرت
نہیں رکھتے۔ کمیت اور طاقت
کہاں سے آئیں؟ ہم جانتے ہیں
کہ اس کو ثابت کرنے کے لئے ہم
نے قوانین وضع کئے۔ لیکن ہم
اسے بنا نہیں سکتے اسلئے کوئی
بالا قوت ضرور ہے جو اپنے اندر
تخلیق کی قوت بھی رکھتی ہے۔"

مجھے ایک شام Brook Raven میں
ایک پارٹی میں شمولیت کا موقع ملا۔ تو میں نے دیکھا کہ تمام سائنسدان جن میں لاادری، وسواسی ہر چیز کے منکر اور پختہ ایمان کے مالک سبھی شامل تھے۔ یہ سب بڑے مزے سے اکٹھے گا رہے تھے۔

" جوہری طاقت! ہمیں خدا کے طاقتور
ہاتھ نے دی ہے۔"

کئی سائنسدان جن سے میں دورانِ سفر میں ملا اُن کے اندر ایک جدید احساسِ اعتراف پایا جاتا تھا۔ دس یا پندرہ سال پیشتر سائنس یہ سمجھتی تھی کہ دنیا کا نظام اس کے ہاتھ پڑا ہے۔ یہ ہر مسئلہ کو حل کرنے کی دعویدار تھی۔ ایک بوڑھا کیمیا دان کہنے لگا "ہمارا خیال تھا کہ سائنس ایک جادو ہے لیکن آج بڑے سے بڑا سائنسدان بھی جانتا ہے کہ اس کا علم بہت قلیل ہے۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ سائنسدانوں نے کچھ رازوں کے پردے سرکائے ہیں تاکہ زیادہ گہرے رازوں تک رسائی حاصل ہو سکے۔"

ماضی قریب کی چند دریافتوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ جس چیز کو سائنس ٹھوس کہتی ہے وہ ٹھوس نہیں نکلی بلکہ خالی جگہوں کا اجتماع ثابت ہوتی ہے۔ مادہ جسے سائنس لافانی کہتی تھی اب ثابت ہوا ہے کہ وہ لافانی نہیں بلکہ طاقت میں بدل سکتا ہے۔ انگریز کیمیا دان جان ڈالٹن نے کہا تھا کہ ایٹم ناقابلِ تقسیم، ابدی اور لافانی ہے درحقیقت ایٹم کے اندر ان میں سے کوئی خاصیت بھی پائی نہیں جاتی۔ Euclid نے سائنس کو اس حقیقت سے روشناس کروایا تھا کہ کُل ہمیشہ اس کے اجزاء کے مجموعے کے برابر ہوتا ہے۔ لیکن ایک ایٹم کا وزن اس کے حصوں کے وزن کے مجموعہ سے کم ہوتا ہے (اسے "نقصِ کمیت" کے اصول کے تحت واضح کیا گیا ہے)

طبیعات کی بنیاد یہ تھی کہ مادی قوانین مقررہ وجوہات کا مقررہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ لیکن موجودہ دور کے ماہرین کے لیے "غیر یقینی" کا اصول ظرافت طبع کا باعث بنا ہوا ہے۔

ڈاکٹر Schlick نے کہا۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ ہم ۱۰ برس پیشتر دنیا کے متعلق آج کی نسبت زیادہ معلومات رکھتے تھے۔

ڈاکٹر کیتھرائن نے یاد دلاتے ہوئے کہا:۔

"نیوٹن نے اپنی مثال اُس بچے سے دی
تھی جو ساحل پر کھیل رہا ہو اور حقائق کا سمندر
ابھی تک تشنہ تحقیق سامنے موجزن ہو۔
ہم ابھی تک سمندر کے کنارے کھڑے ہیں۔
جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ ایک ننھا سا قطرہ
ہے۔ باقی تمام کے لئے ہمیں ایمان پر اعتماد
کرنا پڑتا ہے۔"

میں چند سائنسدانوں سے ملا جو یہ تسلیم کرتے ہوئے گھبراتے تھے کہ ان کی کوششوں کی انتہا ان کے تخیل کی تسکین کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ڈاکٹر ہیوٹ (Hewitt) جیسے ماہر جراثیم جن کی تمام زندگی تین کیڑوں کے خلاف جدوجہد میں گزری ہے۔ ان کیڑوں کا نام bancrofti - onchrocerca volvulus ، wuchereria اور loa loa ہیں۔ یہ کیڑے ایک بیماری پیدا کرتے تھے جس کا نام Filiariasis ہے۔ اس بیماری میں جسم کے مختلف حصے پھول جاتے ہیں اور آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہیوٹ نے خطوط سرطان اور جدی پر ان کیڑوں کے تعاقب میں شدید جدوجہد کی ہے اور وسطی اور جنوبی امریکہ کے لوگوں کے ساتھ سخت محنت کر چکا ہے تاکہ وہ اس بیماری سے نجات پائیں۔ اس نے سینکڑوں تجربات کئے اور ان کیڑوں کا ان کی پرورش گاہوں تک پیچھا کیا۔ اُس کے ڈیسک کے پیچھے اُس جنگ کا نقشہ ہے جس پر اُن جگہوں کو رنگین دکھایا گیا ہے جہاں اُس نے اپنے دشمن کیڑوں کو برسرِ پیکار دیکھا تھا۔ آخر کار ڈاکٹر ہیوٹ نے ایک دوائی دریافت کی جو ان کیڑوں کو ہلاک کر ڈالتی تھی اور بیمار تندرست ہو جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ خطوط جدی اور سرطان کے لوگ اس بیماری سے چنداں خائف نہیں۔

میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا "آپ نے کام کیونکر شروع کیا؟"

ڈاکٹر ہیوٹ نے جواب دیا:۔

"مجھے کسی شدید خواہش نے اِس کام پر
مجبور نہ کیا۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں انسانیت
کی بھلائی کے کسی کام آسکتا ہوں۔ مجھے اس چیز
سے دلچسپی تھی کیونکہ ان کا وجود انسان کیلئے
ایک دعوتِ مقابلہ تھی۔"

میں نے کہا "آپ کا Ehrlich اور Pasteur کے متعلق کیا خیال ہے۔ کیا وہ انسانیت کے ہمدرد نہ تھے؟"

ڈاکٹر ہیوٹ نے جواب دیا "میرا خیال ہے وہ صرف سائنسدان تھے۔ اُن کے سامنے ایک مسئلہ تھا اور وہ اس میں دلچسپی رکھتے تھے۔"

ڈاکٹر ہیوٹ نے کہا:۔

"مجھے اس وقت انتہائی خوشی ہوئی جب
پہلی بار میں نے یہ دوائی وہاں کے باشندوں
پر استعمال کی تو ایک آٹھ سالہ بچے کی بہت
بڑھی ہوئی ٹانگ معمول پر آگئی اور ایک
اندھے لڑکے کی بینائی درست ہوگئی۔"

میں نے پوچھا "آپ کا ان لوگوں کی مدد کے لئے ایک ذریعہ دریافت کرنا محض ایک اتفاق تھا۔ آپ نے کیوں نہ اپنی کوششیں بیماری پھیلانے میں صرف کر دیں۔ اور صورتِ حال کو مزید خراب کیوں نہ کیا؟"

انہوں نے مسکرا کر جواب دیا "میں ایسا کبھی نہ کرونگا"
کیوں نہیں۔ آپ نے کہا تھا "میں انسانیت کا ہمدرد نہیں ہوں"

انہوں نے جواب دیا۔ "میں اپنے جواب کی وضاحت نہیں کر سکتا"

چند دن بعد میں نے یہ کہانی ڈاکٹر Nassau کے سامنے دہرائی اور یہ سوال اٹھایا کہ سائنسدان نیکی کرنا کیوں چاہتے ہیں؟ ڈاکٹر Nassau نے جواب دیا "شاید ہمارے اندر خدا ہو"

مشہور امریکن سائنسدان رابرٹ ملی کن نے جواب دیا:۔

"ہمیں خالق ارض و سما نے کیسے موزوں مقام پر پیدا کیا ہے۔ اس نے ہمارے ذمہ کتنا اہم کام ڈالا ہوا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارا حقیقی مقام کیا ہے۔ ورنہ ہمیں اپنی عظیم ذمہ داریوں کا احساس کبھی نہ ہونے پاتا"

میں نے محسوس کیا کہ اس بوڑھے سائنسدان کے اندر بہت گہری بصیرت تھی۔ وہ لاادری کے مقام سے نکل چکا تھا۔ ایک Gerontion (ہرٹلم پیدائش) نے کہا ہے:۔

"جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں بہت کچھ معلوم ہے تو ہم خدا کے وجود کا انکار کر دیتے ہیں لیکن جب ہمیں یہ احساس ہو جاتا ہے کہ ہمارا علم کتنا بے حقیقت ہے تو ہم خدا کی طرف واپس لوٹ آتے ہیں"

ایک نوجوان جو اپنے علم پر نازاں ہو اپنی تجربہ گاہ میں کہتا ہے:۔
"دیکھو میں نے ایٹم میں کیا کیا دریافت کیا ہے"

لیکن بوڑھا سائنسدان جواب دیتا ہے:۔
"تمہیں خدا کی ہستی پر حیرت نہیں آتی۔ دیکھو اس نے ایٹم میں کیا کیا رکھا ہے" +

سائنس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد

قرآن مجید وہ پہلی آسمانی کتاب ہے جس نے مذہب اور سائنس کو توام قرار دیا ہے۔ شریعت اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور سائنس اس کا فعل ہے۔ خدا کے قول اور اسکے فعل میں کبھی تضاد نہیں ہو سکتا۔ اسلئے سچا مذہب سائنس کے مطابق ہوگا اور صحیح سائنس مذہب کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

قرآن مجید نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مومنوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ کائنات عالم پر غور کرتے رہیں اور آسمان و زمین کے اس نظام پر غائر نظر ڈالا کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف اللیل والنھار لاٰیٰت لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض ربنا ماخلقت ھٰذا باطلاً سبحٰنک فقنا عذاب النار۔ (آل عمران)

ترجمہ۔ زمین و آسمان کی بناوٹ اور رات دن کے اختلاف میں اہل عقل کے لئے ہزاروں نشانات ہیں جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیق پر تدبر کرتے رہتے ہیں آخر کار اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے خدا تو نے کسی چیز کو بیکار اور عبث پیدا نہیں کیا تو پاک ہے پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

یہ قرآنی آیت مسلمانوں پر فرض عائد کرتی ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق کے اسرار کو معلوم کرنے میں ہمہ تن مصروف رہیں اور دنیا کے تمام علوم کو حاصل کریں۔

ابتدائی مسلمانوں نے اس راز کو سمجھا تھا اور اسی لئے وہ تمام علوم میں دنیا کے رہنما بن گئے تھے۔ آج بھی مسلمانوں کو اپنے فرض کو سمجھ کر اس میدان میں ترقی کرنی چاہیئے +

سلسلہ انبیاء میں "خاتم النبیین" حضرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کے رسالہ پر ایک نظر

(از جناب شیخ عبدالقادر صاحب - لائل پور)

(۱)

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور نے "خاتم النبیین" کے نام سے حال ہی میں ایک رسالہ دوسری مرتبہ شائع کیا ہے جس میں تورات، زبور اور صحف سابقہ کی پیشگوئیوں کی رُو سے یہ ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ خاتم النبیین (نبی آخر الزمان) حضرت مسیح ناصری علیہ السلام ہیں نہ کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اپنی بحث کا خلاصہ بایں الفاظ اس رسالہ کے مصنف نے پیش کیا ہے :-

۱- "پس ہماری تحقیق نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم دُنیا میں اس بات کا علانیہ اظہار کریں کہ توریت اور نبیوں اور انجیل مقدس میں مسیح خداوند اور اس کے حواریوں کے بعد کسی سچے نبی کی آمد کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اسلئے مسیح اور اس کے حواریوں کے بعد کسی کا دعویٰ نبوت حق اور قابلِ وثوق نہیں۔" (ص۲۱)

۲- "محمد صاحب سے چھ صد سال پہلے مسیح خداوند کا اپنا دعویٰ ہے کہ توریت اور نبیوں کا سابقہ بیان میرے حق میں ہے اور آئندہ کے لئے اس کا تاکیدی فرمان ہے کہ جھوٹے نبیوں سے خبردار رہنا (متی ۷/۱۵) ..... مسیح کے مقدس حواریوں نے ..... یہودی قوم کے سرداروں کے سامنے اس حقیقت کا علانیہ اقرار و اظہار کیا کہ مسیح ناصری ہی خاتم النبیین ہے۔"

(اعمال ۲/۳۰، ۲/۲۲، ۲پطرس ۱/۱۹ تا ۲۱) ص۲۱

مذہبی جنون میں اظہارِ عقیدہ پر برافروختہ ہونا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں۔ آزادیٔ رائے و آزادیٔ مذہب وہ زرّین اصول ہے جس کے باعث ہمارے مذہب کے لئے اللہ تعالیٰ نے "اسلام" یعنی "مذہب امن" کا نام پسند کیا ہے۔ ہمیں اس نام پر بجا طور پر فخر ہے کیونکہ اسلام ایک سچے مسلمان کے دل میں وہ قندیلِ صداقت روشن کر دیتا ہے کہ جس کی ضیاء میں بھولی بھٹکی رُوحوں کی راہنمائی کے لئے وہ ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ اسے جبر کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ صبر کی تلقین ہے۔

پس ہم دلی ہمدردی سے عیسائی بھائیوں کی خدمت میں [illegible] کہ آپ کا یہ نظریہ سراسر غلط اور نادرست ہے کہ حضرت مسیح ناصری کے بعد انبیاء میں سے کسی نبی کے آنے کی کوئی خبر موجود نہیں بلکہ [illegible] یہ ایک ایسا نظریہ ہے کہ جس کی آپ کو بہت بڑی قیمت ادا کرنا ہوگی یعنی سارے سلسلہ نبوت کو جھٹلانا ہوگا کیونکہ انجیل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی آخر الزمان کے لئے جس نے حضرت مسیح ناصری کے بعد آنا تھا سب اسرائیلی انبیاء نے پیشگوئیاں کی ہیں، اس کو ماننے کی تاکید موجود ہے اور نہ ماننے

پر یہ وعید کہ ایسا شخص خداتعالیٰ کی اُمت میں سے کاٹ دیا جائے گا۔

اِن حالات میں میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اپنے عقیدہ پر نظرِ ثانی کریں کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آنے والے نبی آخر الزمانؐ (جس کا زمانۂ نبوت قیامت تک ممتد ہے) کے انکار کے یہ معنے ہیں کہ آپ نے سلسلۂ نبوت کی منزلِ مقصود کو سامنے دیکھ کر دم توڑ دیا اور محروم رہے۔ آپ کی مثال اُس پیاسی ہرنی کی ہوگی جو چشمے تک پہنچ تو گئی لیکن پیاس نہ بجھا سکی اور تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔ وہ آب رواں کو سراب سمجھتی رہی۔

یہ محرومی اگر حقیقی ہے جیسا کہ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں تو سوچیے کہ آپ نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ اپنے ایک غلط نظریہ کے باعث آپ نے کتنا عظیم الشان نقصان اٹھایا کہ رحمۃ للعالمینؐ کے دامنِ رحمت سے وابستہ نہ ہوسکے جو کہ کل ادیان کے نبی موعود اور کل انبیاء کا کعبۂ مقصود ہے۔ اس در بے بہا کے کھونے کے بعد کچھ پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مسیحی بھائیو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے علماء جن کے پاس علمِ کتاب ہے آپ کو ایک غلط راستے پر ڈال رہے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر صحفِ سماوی کی ان پیشگوئیوں کو چھپاتے اور ان کی غلط تعبیر کرتے ہیں جن میں نبی آخر الزمانؐ کی مقدس آمد کا ذکر موجود ہے۔ انجیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ یہود کو صحفِ سماوی کی رُو سے تین نبیوں کا انتظار تھا:۔

(۱) الیاس

(۲) مسیح

(۳) اور "وہ نبی"[1] (یوحنا ۱/۲۱)

حضرت مسیح ناصری فرماتے ہیں کہ الیاس تو آچکا یوحنا کی صورت میں (متی ۱۱/۱۰ تا ۱۴) مسیح میں خود ہوں (متی ۱۶/۱۶ و یوحنا ۴/۲۶) اور "وہ نبی" یعنی تورات کا موعود (استثنا ۱۸/۱۵ کی پیشگوئی کا مصداق) جو کہ روحِ حق ہے میرے جانے کے بعد آئے گا (یوحنا ۱۴/۱۶ تا ۱۱) حضرت مسیح ناصری کے مقدس حواری بھی یہودیوں میں یہی منادی کرتے رہے کہ تورات کے موعود کے لئے حضرت مسیح ناصری کی آمد ثانی سے پہلے اور آمد اوّل کے بعد آنا مقدر ہے۔ (اعمال ۳/۱۸ تا ۲۶)

پہلے دو نبیوں کے اقرار کے بعد تیسرے عظیم الشان نبی کا انکار آخر کیوں؟

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو چشمِ بصیرت عطا کرے اور صحفِ سماوی کی پیشگوئیوں کو سمجھنے کی توفیق دے اور آپ کے دل میں قندیلِ ایمان روشن ہو کہ جس کی راہنمائی میں آپ حق و باطل میں فیصلہ کر سکیں۔

پیارے بھائیو! جتنی عظیم الشان کوئی شخصیت ہوتی ہے اتنی ہی دور سے اس کے لئے داغ بیل ڈالی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی آخر الزمان کے لئے سب نبیوں نے پیشگوئیاں کی ہیں (اعمال ۳/۲۲)

(۱) انجیل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حنوک (ادریس) نے جو کہ آدم سے ساتویں پشت میں گذرے۔ یہ پیشگوئی کی کہ نبی موعود دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا (یہودا ۱۴ انگریزی بائیبل)

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور وضاحت کردی کہ وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنیوالا نبی کوہ فاران سے جلوہ گر ہوگا۔ ایک آتشی شریعت اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ (استثنا ۳۳/۲) وہ میری مانند صاحب شریعت نبی ہوگا اور بنی اسرائیل کے بھائیوں میں مبعوث ہوگا۔

[1] پیکس تفسیر بائیبل میں یوحنا بحوالہ اعمال ۳/۲۲ تا ۲۶ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہود کے نزدیک "وہ نبی" سے مراد استثنا ۱۸/۱۵ کی پیشگوئی کا مصداق ہے۔ نیز بائیبل ریفرنس میں بھی "وہ نبی" کا یہی حوالہ دیا گیا ہے۔

بیکس تفسیر بائیبل میں یہ اقرار موجود ہے کہ تورات کی استثناء ۱۸/۱۵ والی پیشگوئی کے متعلق یہ خیال کہ اس میں مسیح کا اوّلین ذکر ہے غلط ہے۔ (صفحہ ۲۳۹)

(۳) تورات کے بعد "زبورِ داؤد" کا زمانہ آجاتا ہے حضرت داؤد علیہ السلام اپنے زبوروں میں مدح نبیٔ موعود کی نفیری بجاتے اور گیت گاتے ہیں۔ ایک زبور میں بشارت ہے کہ "وادیٔ بکا" تبدیل شریعت سے فیضیاب ہوگی:۔

"واضع قانون (قانون شریعت پیش کرنے والا) اس کو برکتوں سے ڈھانپ دیگا۔"
(زبور ۸۴ باب ترجمہ از کیتھولک بائیبل)

(۴) آپ کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام غزل الغزلات[1] میں محبوب انبیاءؑ سے والہانہ عشق و محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اس محبوبؑ کے متلاشی ہیں جو سب محبوبوں میں سرفراز اور دس ہزار قدوسیوں کا سردار[2] ہے جس کا نام "محمدیم" ہے یعنی صاحبِ عظمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (غزل الغزلات ۵/۱۰ تا ۱۶)

(۵) اس کے بعد متواتر سلسلۂ انبیاء میں پکارنے والوں کی یہ آواز گونجتی ہے کہ نبیٔ موعود ابھی آنیوالا ہے اور عرب کی بابت الہامی کلام" میں آنے والے عظیم الشان نبی کے نشانات بتائے جاتے ہیں۔ (یسعیاہ ۲۱ باب)

(۶) یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوسو سال بعد حضرت عزرا نبی خبر دیتے ہیں کہ:۔

"ابتک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اٹھا۔" (استثناء ۳۴/۱۰)

گویا نوسو سال کی طویل مدت میں اقرار ہے کہ موسیٰ جیسا کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ تورات کی مثیل موسیٰ والی پیشگوئی ابھی پوری نہیں ہوئی۔

(۷) لیجئے اب عیسوی سن شروع ہوگیا۔ حضرت مسیح ناصری کے ہمعصر نبی یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) سے یہود نے سوال کیا کہ کیا تو "وہ نبی" ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں (یوحنا ۱/۲۱) گویا حضرت موسیٰ کے تیرہ سو سال بعد بھی اہل کتاب اُس نبی کے لئے چشم براہ ہیں جسکی پیشگوئی اس درجہ زبان زد خلائق ہے کہ "وہ نبی" کا اشارہ جس کے لئے کافی ہے۔

(۸) اب حضرت مسیح ناصری کا زمانۂ نبوت ہے۔ آپ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جسکی پیشگوئی تورات اور صحفِ سابقہ میں موجود ہے (متی ۲۶/۶۳ یوحنا ۴/۲۵، ۲۶ لوقا ۲۴/۴۴) آپ نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ آپ ہی "وہ نبی" ہیں جس کی طرف لوگوں کی انگلیاں اُٹھ رہی تھیں۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کے متعلق بعض

---

[1] بائیبل میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے تین ہزار تمثیلیں کہیں اور آپ کی غزلیں ایک ہزار پانچ تھیں (سلاطین ۴/۳۲) کیتھولک بائیبل میں اس آیت پر جو حاشیہ دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحتِ بائیبل پر کچھ ایسا حادثہ وارد ہوا کہ حضرت سلیمانؑ کی ایک ہزار چار غزلیں ضائع ہوگئیں صرف ایک غزل بچی جو کہ بائیبل میں غزل الغزلات کے نام سے شامل ہے۔ یہ غزل سب غزلات میں سے ممتاز اور بہترین ہے۔ کیا یہ اعجاز نہیں کہ اس حادثہ سے صرف وہی غزل محفوظ رہتی ہے جو سیدالانبیاءؐ کی بعثتِ مقدسہ کی بشارات پر مشتمل ہے جس میں حضرت سلیمانؑ اپنے حبیب کا نام "محمدؐ" بتاتے ہیں۔ کیا یہ اسم محمدؐ کی برکت تو نہیں؟ فتدبر!

[2] اتھرووید میں بھی یہ پیشگوئی ہے کہ "مامح (محمدؐ) رشی کو دس ہزار گائیاں ملیں گی۔" (اتھروید کانڈ ۲۰۔ سوکت ۱۲۷ منتر ۳) اسی طرح رگ وید میں ہے کہ "مامہ رشی جو کہ سب خوبیاں رکھنے والا ہے دس ہزار کے ساتھ ممتاز ہوگیا ہے" (رگ وید منڈل ۵ سوکت ۲۷ منتر ۱) یہ وہی لفظ ہیں جو کہ محمدیم کے متعلق غزل الغزلات میں آئے ہیں ٭

سادہ لوح تو یہ سمجھتے تھے کہ آپ یوحنا نبی (جو کہ شہادت پا چکے تھے) یا ایلیا نبی یا یرمیاہ نبی ہیں۔ بعض سمجھتے تھے کہ نبیوں میں سے کوئی نبی دوبارہ آگئے ہیں۔ بعض آپ کو آنے والا مسیح سمجھتے تھے۔ ایسے بھی لوگ تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی "وہ نبی" ہوں (یوحنا ۱/۲۱، ۷/۴۰) لیکن آپ نے کبھی نہیں کہا کہ میں "وہ نبی" ہوں۔ بلکہ فیصلہ کر دیا کہ میں مسیح ہوں۔ (ملاحظہ ہو یوحنا ۴/۲۶ و متی ۱۶/۱۷ و یوحنا ۲۵/۲۶)

یہی نہیں بلکہ آپ نے واضح طور پر خبر دی کہ۔ وہ "روح الحق" میرے بعد آنے والا ہے جو کہ تمہیں کامل تعلیم دیگا۔ اب تمہاری حالت ایسی نہیں کہ تم کامل تسلیم کو برداشت کر سکو۔ (یوحنا ۱۶ / ۱۲ تا ۱۳)

(۹) آپ کے بعد آپ کے حواری تورات اور صحف مقدسہ کی ان پیشگوئیوں کا مصداق آپ کو قرار دیتے ہیں جو مسیح موعود کی آمد سے تعلق رکھتی ہیں۔ (اعمال ۳/۲) لیکن انہوں نے کبھی اشارہ بھی نہیں کیا کہ آپ مثیل موسیٰ والی پیشگوئی کے مصداق ہیں بلکہ اُس نبی کا وہ بدستور انتظار کرتے رہے جس کے لئے موسیٰ کی مانند (صاحب شریعت) ہونا شرط تھا۔ حواریانِ مسیح آپ کو موسیٰ کی مانند نبی قرار نہیں دیتے۔ یوحنا حواری اپنی انجیل میں لکھتے ہیں:۔

"شریعت تو موسیٰ کی معرفت دی گئی مگر
فضل اور سچائی یسوع مسیح کی معرفت
پہنچی" (۱/۱۷)

صاف ظاہر ہے کہ حواریوں کا یہ دعویٰ نہیں تھا کہ حضرت مسیح موسیٰ کی مانند نبی ہیں۔

(۱۰) اسی طرح مقدس پطرس نے ہیکل میں کھڑے ہو کر علماء یہود کے سامنے اعلان کیا کہ حضرت مسیح ناصری ان پیشگوئیوں کے ضرور مصداق ہیں جو صحف انبیاء میں پائی جاتی ہیں کہ مسیح لوگوں کے ہاتھوں دکھ اٹھائیگا لیکن تورات کے موعود (استثناء ۱۸/۱۵) کے مصداق نے حضرت مسیح ناصری کے بعد آنا ہے۔ پطرس نے اعلان کیا کہ حضرت مسیح کی آمد ثانی سے پہلے اس عظیم الشان نبی کا آنا ضروری ہے جس کیلئے سب اسرائیلی انبیاء نے پیشگوئی کی۔ تورات میں جسکی بشارت موجود ہے کہ وہ نبی جو کہ موسیٰ کی مانند ہوگا بنی اسرائیل کے بھائیوں میں مبعوث ہوگا۔ جو اسکو قبول نہ کریگا اور اسکے پیغام پر کان نہ دھریگا وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائیگا۔ مقدس پطرس کہتے ہیں کہ اس نبی کی آمد سے ایک عظیم الشان (روحانی) بحالی اور انقلاب وابستہ ہے (اعمال ۳/۱۸ تا ۲۶)

(۱۱) حضرت مسیح ناصری کے بعد آپ کے حواری یہودا اپنے خط میں حنوک (ادریس نبی) کی پیشگوئی کا ذکر کرتے اور اس موعود کے منتظر نظر آتے ہیں جو دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئیگا اور سب لوگوں کی عدالت کریگا۔ (یہودا ۱۴/۱ انگریزی بائیبل)

(۱۲) پہلی صدی عیسوی کا چراغ ٹمٹما رہا ہے اب یوحنا عارف کو کشف دکھلایا جاتا ہے کہ ایک آسمانی سوار ہے جو امین اور صدیق کہلاتا ہے۔ راستی کے ساتھ انصاف و لڑائی کرتا ہے۔ اسکے سر پر بہت سے تاج ہیں وہ لوہے کے عصا سے قوموں پر حکومت کرتا ہے اس کا لقب "بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند" (خاتم النبیین) ہے اسکی آمد پر ایک ہزار سال تک ابلیس قید و بند میں ڈال دیا جاتا ہے (مکاشفات ۱۹/۱۱ تا ۱۹ و ۲۰/۱ تا ۳)

گویا یوحنا عارف کو اس کشف کے ذریعہ یہ بتایا جاتا ہے کہ سید الانبیاء کی بعثت مقدسہ ابھی باقی ہے۔ اس کے یہ نشانات ہیں جن سے وہ پہچانا جائیگا۔ نبی آخر الزمان کے لئے ساڑھے تین ہزار سال کی پیشگوئیوں کے اس تسلسل کے پیش نظر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری ہی وہ موعود نبی ہیں اور آپ کے بعد صرف جھوٹے نبیوں نے آنا ہے۔ العیاذ باللہ +

(باقی دارد)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کا ذکر

(از مکرم ڈاکٹر ملک نذیر احمد صاحب ریاض)

فراعنۂ مصر کے متمدّن دارالحکومت میں عمران کے گھر ایک بچے نے جنم لیا جس کے معصوم چہرے پر رُشد اور سعادت کے آثار نمایاں تھے! اس کی موہنی صورت اور دلکش خدوخال کا تناسب اس امر کی غمّازی کر رہا تھا کہ اسے قدرت نے ایک عظیم الشان مقصد کے لئے اس عالم رنگ و بُو میں بھیجا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ فرعون بنی اسرائیل کی نسل کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ مصریوں کی وحشت و بربریت سینکڑوں نومولودوں کا خون بہا رہی تھی۔ جہاں کہیں ولادتِ فرزند کا شبہ ہوتا فرعونی گماشتے دائیوں اور جلّادوں کی معیّت میں وہاں پہنچکر بچے کا سر قلم کر دیتے اور اس ننھی سی جان کو تڑپتا چھوڑ دیتے۔ ہر گھر سے نالہ و شیون اور آہ و بکا کی دلگداز اور دردناک آوازیں اُٹھ رہی تھیں بنی اسرائیل کو چونکہ قبطیوں کا غلام خیال کیا جاتا تھا اسلئے فرعون کے دربار میں اس ظلم و ستم کی کوئی دادرسی نہ تھی۔ بس فرعونی حکومت کا راز اسی نسلی اور ملکی افتراق پر قائم تھا۔

ان نازک حالات میں عمران کے بیٹے کی حفاظت ایک لاینحل مسئلہ بن کر رہ گئی۔ تین ماہ تک تو ہر قسم کی احتیاطیں بروئے کار لاتے ہوئے جوں توں کر کے بچے کی پیدائش کو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی پوری سعی کی گئی۔ لیکن چونکہ ان تشویشناک حالات میں زیادہ دیر تک اس راز کو مخفی رکھنا خلافِ مصلحت تھا اسلئے بچے کی والدہ فطرتی محبت کے بے پناہ جذبہ کے ماتحت سخت آزردہ خاطر رہنے لگی۔

آخر خدائے عزّ و جل نے بچے کی والدہ کے دل میں القا کیا کہ ایک صندوق بنا کر اور اس میں بچے کو حفاظت سے رکھکر دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو۔ اور یہ بشارت بھی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہم اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ بالآخر تمہاری چیز تمہیں مل جائے گی اور یہ پیغامبر بھی ہوگا۔

چنانچہ رات کے پچھلے پہر جبکہ صبحِ صادق کی سپیدی نقِ مشرق سے نمودار ہو رہی تھی، ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی آنکھیں سطحِ ارضی کی سنسان خاموشی پر شبنم افشانی کر رہی تھیں، مصر کے باشندے خوابِ شیریں کے مزے لے رہے تھے تمام فضا میں دریائے نیل کی موجوں کی روانی کے سوا کوئی جنبش نظر نہ آتی تھی صرف ایک غم نصیب عورت ایک صندوقچی کو اپنے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی چھاتی سے لگائے ساحلِ دریا پر کھڑی تھی اور بیم و رجا کے عالم میں متذبذب نگاہوں سے دریائے نیل کی موجوں کو تک رہی تھی۔ عورت نے پہلے تو آسمان پر نگاہیں دوڑائیں ایک نظر اس صندوقچی کو دیکھا جس میں اس کی زندگی کی تمامتر کائنات تھی اور پھر آرام سے اسے امواجِ نیل کے سپرد کر دیا۔ اور سہمے ہوئے دل کے ساتھ چپکے سے آبادی کی طرف لوٹ آئی۔

گو خدا نے بچے کی ماں کو اس کی حفاظت کی بشارت دی تھی تاہم احتیاطاً وہ اپنی بڑی لڑکی کو اپنے ہمراہ لے گئی تھی تا دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ چل کر وہ صندوقچی کو اپنی نگاہ میں رکھے۔ چنانچہ لڑکی نے دیکھا کہ صندوقچی بہتی ہوئی فرعون کے شاہی محل کے کنارے آ لگی ہے۔

فرعون کے گھر والوں کی اچانک نظر جب اس صندوقچی پر پڑی تو وہ اُسے اُٹھا کر اندر لے گئے۔ بچے کی بڑی بہن یہ سب

نظارہ دیکھ رہی تھی وہ تفصیلات معلوم کرنے کے لئے شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہو گئی۔

محل کے تمام لوگ اس راز کو معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھے۔ آخر جب صندوقچی کو کھولا تو اس میں ایک ننھا سا حسین وصحتمند بچہ آرام سے لیٹا ہوا اپنا ہی اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا۔

ملکہ نے جب اس چاند سے ٹکڑے کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے اٹھا کر اسے پیار کرنے لگی محل کا ہر فرد اس معصوم بچے کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ فرعون کی بیوی "آسیہ" چونکہ اولاد کی نعمت سے محروم تھی اسلئے غیب سے اس دُرِّ ثمین کے ملنے پر بے حد خوش ہوئی اور خادمائیں بھی ملکہ کو مبارکباد پیش کر رہی تھیں۔

چنانچہ اولاد سے محرومی نے آسیہ کے دل پر غم و الم کی جو گھٹائیں محیط کر رکھی تھیں وہ فوراً دور ہو گئیں اور اس کی روح فرطِ طرب سے رقص کرنے لگی۔ اس کو کائنات کی ہر چیز میں مسرت کے چشمے پھوٹتے دکھائی دے رہے تھے۔

مصاحبین درباریوں میں سے کسی نے کہا یہ بچہ تو خد و خال سے اسرائیلی معلوم ہوتا ہے ملکی قانون کی رو سے اسے قتل کر دینا چاہیئے جس سے فرعون بھی متأثر ہوا۔ ملکہ نے جب اپنے شوہر کے یہ تیور دیکھے تو اس کے دل میں ٹیس اٹھی وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیکر کہنے لگی۔ کون سنگدل اس معصوم سے فرشتے پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ میں اسے اپنا بچہ بنا کر پالوں گی۔ یہ ہمارے گھر کی رونق ہوگا اور اگر اسرائیلی ہوا بھی تو ہم اسے اپنی آغوشِ تربیت سے مفید بنا لیں گے۔

فرعون جسے اولاد کے سوا دنیا کی تمام تر نعمتیں میسر تھیں اس نے ملکہ کی وارفتگی کو دیکھ کر اس معصوم فرشتے کو ملکی قانون سے "مستثنیٰ" قرار دیدیا۔

یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور اُدھر خدا کی قدرت فرعون اور آسیہ کی اس گفتگو پر مسکرا رہی تھی کہ ہم نے تمہاری تمام سازشوں کے باوجود تم کو دشمن کے بچے کی حفاظت اور پرورش پر مامور کر دیا ہے۔

اب اس بچہ کے لئے دودھ پلانے والی انّا کی تلاش ہونے لگی۔ قدرتِ خداوندی کہ بچہ کسی دایہ کا دودھ پینا تو درکنار ادھر نظرِ التفات بھی نہ کرتا تھا۔ آخر جب شاہی دایہ اپنے تمام جتن کر چکیں تو بچے کی ہمشیرہ (مریم) نے کہا اگر حکم ہو تو میں ایک پاک طینت خدمت گذار اور حلیم الطبع انّا کا انتظام کر کے اس کو اپنے ہمراہ لاؤں۔ فرعون کی بیوی تو چاہتی ہی یہ تھی چنانچہ اس کو اجازت دیدی۔

عمران کی بیوی بچے کو اس طرح کس مپرسی کے عالم میں نیل کی موجوں کے سپرد کر دینے کے خیال سے اداس اور غمگین بیٹھی تھی گو اس کے گھر میں کوئی بچہ نہ تھا لیکن تاہم جب کبھی بچوں کے قتلِ عام کا تصور اس کے دل میں آتا تو وہ کلیجہ مسوس کر رہ جاتی اور ضبط کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگ جاتے۔ وہ اس سوچ میں غلطاں و پیچاں تھی کہ دفعۃً اس کے گھر کا دروازہ کھلا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی لڑکی ملکہ کی خادماؤں کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئی۔

ماں نے جب اپنے بچے کو ایک خادمہ کی گود میں صحیح و سلامت دیکھا تو اس کے پژمردہ دل کی کلی کھل گئی۔ وہ اس بے تابی کے عالم میں ہاتھ بڑھا کر اپنے جگر گوشے پر مزار جان سے نثار ہونے کو تھی کہ یکدم راز فاش ہونے کے خیال سے ضبط کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور چپ ہو رہی۔

اتنے میں ملکہ کی خادماؤں میں سے کسی نے کہا ہم ملکہ کے اس بچے کے لئے انّا کی تلاش میں ہیں' اس لڑکی نے تمہارا پتہ دیا ہے بچے کو ذرا گود میں لیکر تو دیکھو تمہارا دودھ پیتا ہے کہ نہیں۔

ماں کی مامتا نے مسرت سے بھرپور دل کے ساتھ بچے کو اپنی گود میں لیکر اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ بچہ چونکہ صبح سے بھوکا تھا اپنی ماں کی چھاتیوں سے لگتے ہی غٹاغٹ دودھ پینے لگا۔

جزیہ

(از مکرم چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر۔ گجرات)

قبل اس کے کہ جزیہ کے متعلق قرآنی آیات کی روشنی میں صحیح نقطۂ نگہ پیش کیا جائے' اس کے مروجہ لغوی معانی کا بیان کرنا ضروری ہے۔ قبل از اسلام اراضی کے خراج یعنی معاملہ کو جزیہ کہتے تھے۔ اور قرآن نے مروجہ معانی کو ہی مدنظر رکھ کر اس لفظ کا استعمال کیا ہے اور اس پر الف لام لگا کر اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس کی نسبت مخاطبینِ قرآن کے ذہنوں میں مرکوز تھا۔

(۱) الجزیۃ خراج الارض ومنہ ما یؤخذ من الذمی۔ (تاج العروس)	(۱) جزیہ زمین کے خراج یعنی معاملہ کو کہتے ہیں۔ اور ذمی سے جو کچھ لیا جاتا ہو وہ بھی یہی جزیہ ہوتا ہے۔
(۲) الجزیۃ ما یؤخذ من اھل الذمۃ وتسمیتھا بذٰلک للاجتزاء بھا فی حقن دمھم (مفرداتِ راغب)	(۲) جزیہ وہ چیز ہے جو ذمیوں سے لی جاتی ہے۔ اور جزیہ اس کا نام اسلئے رکھا گیا ہے کہ وہ انکی جانوں کی حفاظت کا معاوضہ ہوتا ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ ذمی سے کیا مراد ہے۔ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے بھی لغت اور تاریخ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

(۱) ذمہ۔ امان وعہد وزنہار۔ واھل الذمۃ جھود وترسا لدخولھم فی عھد المسلمین وامانھم۔ (منتہی الارب)	(۱) ذمہ کے معنے عہد و پیمان و پناہ ہیں۔ اور یہودی و عیسائی جو مسلمانوں کے ساتھ عہد کرکے ان کی پناہ میں آجاتے ہیں' ذمی کہلاتے ہیں۔
(۲) والذمام الحرمۃ واھل الذمۃ اھل العقد و قال ابو عبید الذمۃ الامان واذامہ اجارہ۔ (مختار الصحاح)	(۲) ذمام کے معنے عزت و آبرو کے ہیں اور ذمی وہ لوگ ہیں جن سے عہد و پیمان لیا جاتا ہے۔ اور ابو عبید کہتے ہیں کہ ذمہ کے معنے پناہ دینے کے ہیں۔ اور جب کہا جاتا ہے "اذامہ" تو اس کے معنے ہیں "اجارہ" یعنی اس نے اس کو پناہ دی۔

حوالہ جاتِ لغت مندرجہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذمی وہ غیر مسلم ہیں جو یا تو مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرکے مغلوب ہوئے اور پھر اُن کی رعایا بن کر اُن کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگئے۔ یا وہ غیر مسلم ہیں جو اہلِ اسلام کے ساتھ لڑے تو نہیں مگر اُن کے ملک میں آکر پناہ گزین ہوئے ہوں۔ یا مسلمانوں کے ملک کے باشندے ہوں۔ اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑائی نہ کی ہو اور مسلمانوں سے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے خواہاں ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کے مطابق ایسے لوگوں سے صرف عشر (معاملہ زمین) لیا جا سکتا ہے جو مسلمان

زمینداروں سے بھی لیا جاتا ہے۔ کوئی خاص علیحدہ ٹیکس صرف بحیثیت غیر مسلم ہونے کے اُن سے نہیں لیا جا سکتا۔ اس کی واضح تاریخی مثال نجران کے عیسائیوں کی ہے۔ جن کے علماء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مذہبی گفتگو کے لئے آئے۔ دیر تک بحث ہوتی رہی۔ حضورؐ نے توحید الٰہی کی طرف اُن کو توجہ دلائی اور ہر طرح سے سمجھایا کہ حضرت مسیح آدمؑ کی طرح مٹی سے پیدا ہوئے تھے ابن اللہ نہیں تھے۔ مگر انہوں سچائی کو قبول نہ کیا اور مندرجہ ذیل وحی نازل ہوئی:-

(۱) فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا	(۱) اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو انکو
وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا	کہدو کہ آؤ ہم اور تم اپنے
وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا	بیٹوں اور اپنی عورتوں
وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ	سمیت خدا کی بارگاہ میں
فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ	تضرع کیساتھ دعا مانگتے ہیں کہ
عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (پ۳)	جھوٹوں پر خدا کی لعنت پڑے۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے مطابق مباہلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر عیسائی علماء خوف زدہ ہو گئے اور باہم صلاح کر کے فیصلہ کیا کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا کہ ہم اپنے سربرآوردہ بزرگوں سے مشورہ کر کے بتائیں گے کہ ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔ وہ نجران واپس آئے اور اپنے بڑوں کے آگے معاملہ پیش کیا۔ سب کی رائے یہ قرار پائی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیئے اور بطور رعایا کے اہلِ اسلام کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنی چاہیئے اور ان سے جان و مال اور عزت کی حفاظت کی درخواست کرنی چاہیئے۔ ان کے نمائندے پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حفاظت اور پناہ کی درخواست کی۔

اس پر حضورؐ نے مندرجہ ذیل فرمانِ حفاظت ان کو لکھدیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ کا رویہ اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ کیا تھا۔ اور جو اہل کتاب لڑائی نہ کریں اور زیرِ سایۂ حکومتِ اسلام رہنا چاہیں ان سے وہ جزیہ لیا جا سکتا ہے یا نہیں جو لڑائی کرنے والے اہل کتاب سے بطور تاوان یا معاوضہ نقصان جان و مال اہل اسلام میں لیا جا سکتا ہے۔ اور جو زمانۂ حال کی تمام مہذب حکومتیں اپنی مفتوح حکومتوں سے لیتی ہیں۔

فرمانِ حفاظت

(۱) لنجران جوار الله	(۱) اہلِ نجران خدا کی پناہ میں
وذمة محمد النبی	رہیں گے اور محمدؐ رسول اللہ
علی انفسهم و	کی طرف سے ان کیلئے
ملتهم وارضهم	یہ عہد ہے کہ انکی جانوں
واموالهم وغائبهم	اور ان کے مذہب اور
وشاهدهم وعشیرتهم	ان کی زمینوں اور انکے
وتبعهم وان لا یغیر	مالوں کی اور ان میں
لما کانوا علیه	سے جو اس وقت موجود
ولا یغیر حق من	ہیں ان کی اور جو موجود
حقوقهم ولا	نہیں ہیں ان کی اور
ملتهم ولا یغیر	ان کے قبیلہ اور انکے
کلما تحت ایدیهم	تابعین کی حفاظت کی
من قلیل او کثیر۔	جائے گی۔ اور جس دین
ولیس علیهم	پر قائم ہیں اس میں کوئی
ربیة ولا دم	تبدیلی نہیں کی جائے گی
جاهلیة - ولا	اور ان کے حقوق میں
یحشرون ولا یعشرون	سے کسی حق میں اور انکے
ولا یطاء ارضهم	مذہب میں اور جو کچھ
الجیش۔	ان کے قبضہ میں تھوڑا
	یا بہت ہے اس میں تغیر و
	تبدل نہیں کیا جائے گا
	اور ان پر کوئی جھوٹی
	تہمت لگا کر ان کو ملزم

نہیں گردانا جائے گا اور نہ زمانۂ جاہلیت کے کسی خون کا ان سے انتقام لیا جائے گا اور نہ انکو جلا وطن کیا جائے گا اور نہ اُن کو تباہ کیا جائیگا۔ اُن سے عُشر (دہ یک) معاملہ اراضی لیا جائیگا اور لشکر کشی سے ان کی زمین کو پامال نہیں کیا جائے گا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان حفاظتِ اہلِ نجران سے بڑھ کر اور کیا تاریخی ثبوت ہوسکتا ہے۔ اس انتہار درجہ کی رواداری کے فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے جنہوں نے لڑائی میں کوئی حصہ نہ لیا ہو اور وہ باامن رعایا ہوکر رہنا چاہیں محض اس لئے کہ وہ غیر مسلم ہیں کوئی خاص علیحدہ تاوان یا معاوضہ نقصان (جزیہ) یا ٹیکس لینے کا کوئی حکم نہیں ہے اور اگر کسی حکومت نے کسی وقت ایسا کیا ہے تو وہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ پابندی نہیں ہے۔

مسلمانوں کو قرآنی تعلیم کے مطابق کسی قوم یا ملک پر بلا وجہ ملک گیری کی ہوس کی بنا پر حملہ کرنے یا لڑنے کی اجازت نہیں۔ لڑائی انہیں لوگوں سے کی جا سکتی ہے جو پہل کرکے ناحق مسلمانوں پر چڑھائی کریں۔ ایسے لوگوں سے مفتوح اور مغلوب ہونے کی صورت میں جزیہ یا معاوضہ نقصان یا تاوانِ جنگ لیا جا سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لڑائیاں مسلمانوں کو کرنی پڑیں وہ سب مدافعانہ تھیں، جارحانہ نہ تھیں:-

(۱) اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (۹/۱۳)

(۱) مسلمانو! کیا تم ایسی قوموں کے ساتھ لڑائی نہیں کروگے جنہوں نے تمہارے ساتھ پختہ عہد کئے اور پھر اُن کو توڑ دیا اور خدا کے رسول کو ملک سے نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تم سے لڑنے میں پہل کی۔

(۲) قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (۲/۱۸۶)

(۲) مسلمانو! خدا کی راہ میں اُنہی لوگوں کے ساتھ لڑائی کرو جو تمہارے ساتھ لڑائی کرتے ہیں -- اور تعدی اور زیادتی مت کرو۔

(۳) قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ

(۳) اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) میں سے وہ لوگ جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جس چیز کو خدا اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسکو حرام نہیں سمجھتے اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں۔ اُن سے اُس وقت تک لڑائی کرو کہ وہ ذلت (مغلوبیت) کی حالت میں خراج (معاوضہ) اپنے ہاتھ سے دیں۔ (ان اہل کتاب میں سے

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ..... وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (۹/۳۰، ۳۶)

یہودیوں نے کہا کہ عزیر خدا کا بیٹا تھا اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ یہ اُن کے منہ کی بات ہے (جس میں کوئی حقیقت نہیں ہے) ان کا قول انہی لوگوں کے قول کے مشابہ ہے جو ان سے پہلے کافر ہوتے (مشرکین) ..... ان مشرکین کے ساتھ اسی طرح اکٹھے ہو کر لڑائی کرو جس طرح یہ تم سے اکٹھے ہو کر لڑتے ہیں۔

تشریح :- اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو بسبب اس کے کہ وہ انسان کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں پہلے کفار یعنی مشرکین کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جو بُت پرست تھے۔ اور پھر آگے چل کر بتایا گیا ہے۔ کہ یہ اہل کتاب جو مشرک ہیں جس طرح یہ تم سے اکٹھے ہو کر لڑتے ہیں اسی طرح تم بھی ان سے مدافعانہ طور پر اکٹھے ہو کر لڑو یہاں تک کہ یہ ذلیل اور مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے تم کو خراج یا تاوان یا معاوضہ نقصان جنگ دینا قبول کریں۔ اس آیا ت سے اور کسی اور جگہ قرآن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو اہل کتاب تم سے لڑائی کر کے تمہاری جان و مال کا نقصان نہ کریں اور ایک با امن شہری کی حیثیت سے تمہارے ملک میں رہنا قبول کریں اُن سے محض اُن کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے علیحدہ کوئی جزیہ یا ٹیکس وصول کرو۔

"حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کا ذکر قرآن مجید میں" بقیہ صفحہ ۳۹

"فرمایا کہ ہماری ہمشیرہ نے دیکھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرا نام مصطفےٰ ہے اور میں ایک پہاڑ پر جا رہا تھا کہ ایک ٹیلہ میرے سر پہ آگرا اور میں وہاں شہید ہو گیا۔ اور شہید اصل میں زندہ ہی ہوتے ہیں اور پھر کہا کہ تم اس کو خواب نہ سمجھنا۔ میں اس بات کی سچائی کی دلیل میں اس چیز کو پیش کرتا ہوں۔ اور یہ کہکر اس نے ایک بھوج پتر کے ورق پر سورۃ مریم لکھی ہوئی پیش کی اور چلا گیا۔ اسکے بعد جب وہ بیدار ہوئیں تو ان کے سرہانے کے نیچے وہ چیز موجود تھی جو کہ مدت تک ہمارے گھر میں رہی۔ اور میں نے خود پڑھا ہے کہ ایک نہایت خوشخط لکھا ہوا تھا کھٰیٰعص۔"

(تشحیذ الاذہان ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۶/۴۴)

اور پھر مزید تلاش کرنے پر ایک اور رؤیا حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا بھی مل گیا۔ فرماتے ہیں :-

"کشمیر میں ایک مولوی عبد القدوس صاحب رہتے تھے وہ بڑے بزرگ آدمی تھے ..... میں نے ایک رؤیا دیکھا کہ ان کی گود میں کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میں نے ایک جھپٹا مارا اور سب بچے اپنی گود میں لیکر وہاں سے چل دیا۔ رستے میں میں نے ان بچوں سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا نام کھٰیٰعص ہے۔ میں اپنے اس رؤیا کو بہت تعجب کی نگاہ سے دیکھتا تھا جب میں حضرت مرزا صاحب کا مرید ہوا تو میں نے ان سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ آپکو اس کا علم دیا جائیگا۔ اور وہ لڑکے فرشتے تھے۔"

(مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نور الدین صفحہ ۱۵۴)

یہ پانچ فرشتے دراصل ان پانچ اسماء الہامیہ کے تمثلات تھے جن کا ظہور مصلح موعود کے رنگ میں ہونیوالا تھا اور اسمیں اشارہ ہے کہ اس مبارک وجود نے ابتدائے امر میں سریر آرائے خلافت نہیں ہوتا تھا بلکہ
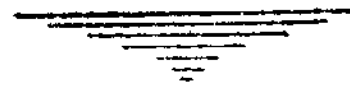
مائیکل سرویٹس کی شہادت

(Michael Servetus)

موحّد عیسائی

(انگریزی مضمون کا ترجمہ)

۱۴۹۲ء کو اُدھر امریکہ دریافت ہوا اور اِدھر سپین میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ شاندار روایتی الی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ ابتداء میں مسیحی حکمرانوں نے مسلمانوں کو مذہبی آزادی دینے کا وعدہ کیا مگر دس پندرہ سال کے عرصہ میں ہی وہ جبر پر اُتر آئے اور مسلمانوں کو جبری بپتسمہ دیکر عیسائی بنانا شروع کر دیا۔ یہ وہی بدقسمت مسلمان ہیں جن کو تاریخ میں مرسکوز (Moriscoes) کے نام پر پکارا جاتا ہے۔ یہ مجبوری حالات کے ماتحت گرجوں میں مع بال بچّے کے بپتسمہ لیکر عیسائی ہو جاتے مگر گھر جاکر باقاعدہ غسل کر کے اسلام کا اعلان کر دیتے۔ اس جبری دَور میں انہوں نے بعض دفعہ تنگ آکر بغاوتیں بھی کیں جن کو بڑی سختی اور بے رحمی سے دبا دیا گیا۔ یہ سلسلۂ تبدیلیٔ مذہب ایک سو سال تک جاری رہا جس کا انصاف پسند طبقوں پر بھی خاص اثر ہوا۔ اور بالآخر رومن کیتھولک مذہب کے اندر بہت بڑے انشقاق کا موجب ہوا اور عیسائیوں کے پروٹسٹنٹ فرقہ کو ان ہی حالات میں زیادہ عروج حاصل ہوا۔ یہ شہید عیسائی جس کا مختصر ذکر ذیل کے نوٹ میں دیا جاتا ہے سپین میں ہی پیدا ہوا اور ان ایام کے اوائل میں پیدا ہوا جبکہ تازہ تازہ اسلامی سلطنت کا چراغ گل ہو چکا تھا یہ نوجوان نام کا عیسائی بے شک تھا مگر وہ سچا موحّد ثابت ہوا۔ صرف ایک فقرے سے اس کی جان بچ سکتی تھی مگر اس نے اس کے اقرار کرنے سے اپنی جان بچانی پسند نہ کی۔ اس پر زور دیا جاتا تھا کہ وہ مسیح کو خدا کا ازلی بیٹا قرار دے مگر وہ اسی بات پر مُصر رہا کہ مسیح ازلی خدا کا بیٹا ہے خود ازلی بیٹا نہیں۔

یہی اسلامی تعلیم ہے کہ مسیح خدا کے برگزیدگان میں سے ایک ہے نہ کہ صرف وہی برگزیدہ ہے۔ تثلیث کی اس نے بڑے زور شور سے تردید کی اور اس کے رد میں کتاب بھی لکھی اور لیکچر بھی دیئے، بالآخر جامِ شہادت نوش کیا۔

یہ مختصر سا نوٹ امریکن رسالہ Time سے لیا گیا ہے جو شکریہ کے ساتھ ترجمہ کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ (خالد)

جنیوا (Geneva) کے شہر سے ٹھیک باہر چمپل کے پہاڑ پر ایک آدمی کو نذرِ آتش کرنے کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ اس کے سر پر گھاس پھوس کا تاج جس پر گندھک چھڑکا ہوا تھا رکھا گیا اور اس کی گردن کو مضبوط رسّہ سے جکڑ کر اس کو جلانے کے مقام پر باندھ دیا گیا۔ جہاں اسکے پاؤں کے نیچے لکڑیوں کا انبار تھا اور اس کی اپنی تصنیف کردہ کتاب "تجدید مسیحیت" (The Restoration of Christinity) اس کی بغل میں دے دی گئی تھی۔ جب جلّاد نے مشعل کو اس کے چہرہ کے سامنے لہرایا تو وہ چلّایا۔ "اے مسیح! ازلی خدا کے بیٹے، مجھ پر رحم فرمائیے"۔ لیکن اس اثناء میں لکڑیوں کے انبار کو آگ لگ چکی تھی۔

آگ کا شکار ایک بیالیس سالہ بوڑھا مائیکل سروٹس (Michael Servetus) سپین کا باشندہ تھا۔ اسے اس جرم کی پاداش میں یہ سزا دی گئی تھی کہ وہ الحادی تھا۔ خصوصاً اس کا جرم جدید بپتسمہ اور عقیدہ تثلیث سے انکار کرنا تھا (وہ پادری جو کہ جلانے کے وقت اس کے ساتھ تھا اس نے بعد میں کہا کہ اگر سروٹس ازلی خدا کے بیٹے کی بجائے خدا کا ازلی بیٹا کہہ دیتا تو وہ اپنی جان بچا سکتا تھا) آخری ہفتہ سروٹس (Servetus) کی چار صد سالہ برسی کے موقع پر رولینڈ ایچ بینٹن (Roland H. Bainton) نے جو پروٹسٹنٹس کا موجودہ زمانے کا سب سے زیادہ مشہور مورخ ہے ایک نئی کتاب "الحادی شکار" (Hunter Heretic) شائع کی ہے جو کہ اس جنگجو کی قطعی سوانح عمری ہے جسے پروٹسٹنٹس نے خود موت کی سزا دیکر اپنے آپ کو نقصان عظیم پہنچایا ہے۔

مائیکل سروٹس (Michael Servetus)

سولھویں صدی کا مشہور انسان تھا جسے صرف اس زمانہ میں پیدا ہونا چاہیئے تھا جبکہ ایک عالم کیلئے ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ہر ایک چیز کے متعلق کچھ نہ کچھ جانتا ہو۔ کیونکہ اس زمانہ میں علم کی وسعت اتنی نہیں تھی جتنی کہ موجودہ زمانہ میں ہے۔ اُس زمانہ میں مروجہ علوم ایک عالم ہی سیکھ سکتا تھا۔ وہ ایک قابل طبیب تھا اور مغربی دُنیا میں وہی پہلا شخص تھا جس نے بتایا کہ پھیپھڑوں میں بھی دورانِ خون ہوتا ہے۔ وہ ایک شہرت یافتہ ہیئت دان تھا جس نے علم ہیئت کے بارے میں قابلِ قدر کام کیا ہے۔ اسکے علاوہ وہ عبرانی اور یونانی کا بھی فاضل تھا۔ نیز اپنے دشمنوں کی شہادت کے مطابق وہ علم دینیات کا بھی ماہر تھا۔ سروٹس (Servetus) کے لئے علماء سے اختلاف رکھنے کی فطرتی عادت کئی مصائب کا موجب بنی تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق بینٹن (Bainton) نامی مورخ لکھتا ہے کہ "سروٹس (Servetus) کسی عالم سے بھی اتفاق رائے نہیں رکھتا تھا"۔ چنانچہ ادویہ کے متعلق دیگر علماء سے علیحدہ رائے قائم کرنے کی عادت سائنٹفک طور پر بہت مفید ثابت ہوئی۔ نیز ایک خود سر ہیئت دان ہونے کی وجہ سے اس نے فرانسس اوّل کے دربار کا اعتماد بھی حاصل کر لیا تھا لیکن اس کے آزادانہ مذہبی خیالات اس زمانہ میں جبکہ یورپ میں کیتھولکس اور پروٹسٹنٹس کے دو مختلف گروہ قائم ہو رہے تھے ان پارٹیوں کی سزا سے نہ بچا سکتے تھے۔

سروٹس (Servetus) نے اپنی زندگی کی ابتداء شہنشاہ چارلس پنجم (Charles V) کے مرشد پادری کے مترجم اور دلائل نائب کی حیثیت سے کیتھولکس کی طرف سے کی۔ مگر اس کے مذہبی مطالعہ نے اسے پروٹسٹنٹ بنا دیا اور وہ ۱۵۳۰ء میں اصلاحات کے مرکز بال (Bale) کیطرف بھاگ گیا اور اس کے بعد وہاں سے سٹاسبرگ (Strasbourg) چلا گیا۔ ان ہر دو مقامات پر اسے خوش آمدید کہا گیا۔ لیکن اس نے جب اپنے انتہا پسندانہ نظریات کی تبلیغ شروع کر دی تو اس کے اس فعل نے اور اس کی ایک کتاب "تغلیط تثلیث" (Errors of Trinity) نے جو کہ مذہبی روایات اور عقیدہ تثلیث پر حملہ تھا پروٹسٹنٹس کو بھی کیتھولکس کی مانند چونکا دیا۔ چنانچہ اس کی کتاب ۱۵۳۱ء میں بال (Bale) اور سٹاسبرگ (Strasbourg) میں ممنوع قرار دیدی گئی اور سروٹس (Servetus) کو انہوں نے مصلحتاً جلاوطن کر دیا۔

اس کے مذہبی نظریات برافروختہ کرنے والے تھے کیونکہ یہ الٰہیات پر مبنی اور چرچ کے طریقوں کے خلاف تھے۔ اگرچہ اس نے پوپ کے مذہب (Papacy) کے خلاف بھی لکھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے پروٹسٹنٹس کے نظریات مثلاً "نظریۂ قسمت" اور لوتھر (Luther) کے نظریہ کہ انسان کی نجات صرف ایمان سے ہے کے بھی تار پود بکھیر دیئے۔ ابھی وہ بائیس سال کا ہی تھا کہ پروٹسٹنٹس اور کیتھولکس ہر دو

پادریوں نے اس کی گرفتاری کے لئے اعلان کر دیا اور کالونز (Calvin's) نے اس کی تحریرات پر یہ الزام لگایا کہ وہ ہرزہ سرائی بیہودہ اور بے جوڑ کلمات کا مجموعہ ہیں۔ لوتھر کے ایک شاگرد (Melanchthon) نے اسے چالاک اور غیر پاکیزہ کے ناموں سے پکارا اور کہا کہ وہ اپنے سننے والوں میں دغابازی کی روح پھونکتا ہے۔ کیتھولکس کی طرف سے Jerome Alexander نے جو کہ مباحثات میں لوتھر کا مخالف تھا یہ تبصرہ کیا:-

"میں نے کبھی ایسی قابلِ نفرت تحریر نہ پڑھی تھی لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ ایک لائق آدمی تھا!"

کیتھولکس اور پروٹسٹنٹس سے تنگ آکر سروٹیس پیرس (Paris) چلا گیا اور وہاں اپنے آپ کو مائیکل ڈی ویلنو (Michael de Veillenuve) کے نام پر ایڈیٹر اور طبیب ظاہر کیا اور دوبارہ نئی زندگی کی ابتدا کی۔

سروٹیس (Servetus) ڈاکٹر کی صورت میں تا وفات زندگی بسر کر سکتا تھا۔ لیکن مذہبی تنازعات میں دخل دینے کی پرانی عادت اس کی اس احتیاط پر بھی غالب آئی اور اس نے جان کلون (John Calvine) سے جو اس وقت جنیوا میں پروٹسٹنٹس کی رہنمائی کر رہا تھا خفیہ مذہبی خط و کتابت شروع کر دی۔ یہ خط و کتابت آخر کار باہمی اختلافات کے وسیع ہو جانے پر تنگ آمیز صورت اختیار کر گئی۔

۱۵۵۳ء میں سروٹیس (Servetus) نے خفیہ طور پر اپنی کتاب "تجدید مسیحیت" (The Restoration of Christianity) شائع کی جس میں دوبارہ عقیدۂ تثلیث پر حملہ تھا۔

یہ امر جان کلون (Jhon Calvin) کیلئے ناقابلِ برداشت تھا۔ چنانچہ اس کے ایماء پر جنیوا کے ایک باشندے نے اپنے کیتھولک چچا کو ملامت کی کہ انہوں نے ایک کافر کو کیتھولکس حدود میں آرام سے زندگی بسر کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ جب اس نے تفصیلات طلب کیں تو کلون (Calvin) نے تحریری طور پر یہ ثابت کر دیا کہ ڈاکٹر مائیکل ویلنو (Dr. Michael Villenuve) حقیقت میں وہی مائیکل (Michael) ہے جس نے عقیدۂ تثلیث کی تردید کی تھی۔

کیتھولکس حکومت نے مائیکل (Michael) کی گرفتاری کے بارے میں نہایت ہی مستعدی سے کام لیا اور سروٹیس کو گرفتار کر کے فوراً جیل میں بند کر دیا لیکن وہ بھیس بدل کر جنیوا کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جہاں ۱۳ اگست ۱۵۵۳ء کو بروز اتوار وہ گرجا میں پہچان لیا گیا اور کلونز (Calvin's) کے متبعین نے اسے دوبارہ زندان میں ڈال دیا۔ دو ماہ بعد ۲۷ اکتوبر کو جبکہ کیتھولکس کی مذہبی عدالت نے سزا کے طور پر صرف اس کے مجسمہ کو جلایا تھا پروٹسٹنٹس نے اسے حقیقی طور پر لفظاً و معناً جلا کر راکھ کر دیا۔ کلونز (Calvins) کے مریدوں کی تحریر نے جلد ہی سروٹیس (Servetus) کے قتل پر ملامت شروع کر دی اور اس کی وجہ سے انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ ہمیں ان اختلافات کو رواداری کے ساتھ دور کرنا چاہیے تھا۔ اس سال (Jhon Calvin's) جان کلونز کے پرانے اجتماع پر جو کہ جنیوا میں منعقد ہوا مائیکل سروٹیس کو ملحد شہید کے نام سے یاد کیا گیا اور چیپل کے پہاڑ پر اسے نذر آتش کرنے کی جگہ پر ایک کتبہ نصب کیا گیا ہے جس پر تحریر ہے کہ (Calvin's) کالون کے مؤدب اور شکر گزار بیٹے اسے مصلح اعظم سمجھتے ہیں لیکن اس سزا کی مذمت کرتے ہیں جو کہ اس زمانہ کی خطرناک غلطی تھی۔

الفرقان کے نئے خریدار پیدا کر کے اشاعت بڑھائیں

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ

قرآن مجید کی ایک پیشگوئی کا مزید ظہور

مکہ شریف کے اخبار "اُمّ القریٰ" کی خوشخبری

اللہ تعالیٰ نے آخری زمانہ کے بارے میں جو پیشگوئیاں بیان فرمائی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ آخری زمانہ کی نئی نئی ایجادات کے باعث اونٹ کی سواری تیز رفتاری کے لئے متروک ہو جائیگی کیونکہ اس زمانہ میں بہت تیز رفتار سواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ قرآن مجید کی آیت وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت خاتم النبیین سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں لَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا (صحیح مسلم) تیز رفتار اونٹ بھی متروک ہو جائیں گے، تیز رفتاری کا کام اونٹوں سے نہ لیا جائے گا۔

ہمارے اس زمانہ میں ریل، موٹر اور ہوائی جہاز وغیرہ کی ایجاد سے قرآن مجید اور حدیث شریف کی یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے اور اس سے مومنوں کے ایمان میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

حجاز میں بھی موٹریں جاری ہیں اور ایک وقت ریلوے لائن بھی تعمیر ہوئی تھی مگر پھر بعض ملکی حالات کے باعث اس جگہ ریل کے جاری ہونے میں التوا پڑ گیا تھا۔ اب مکہ معظمہ کے سرکاری اخبار "اُمّ القریٰ" نے اعلان کیا ہے:۔

"نزف الی العالم العربی والاسلامی ھٰذہ البشری العظیمۃ التی کان یتلھف لھا العرب والمسلمون منذ سنوات وھی ان حضرۃ صاحب الجلالۃ الملک سعود المعظم قد شاء ان تفتتح المشاریع الاصلاحیۃ فی عھدہ المیمون باعادۃ تسییر سکۃ الحدید الحجازیۃ ما بین (دمشق۔ عمان۔ المدینۃ) والاسراع فی اتمام سکۃ حدید (الریاض۔ المدینۃ۔ جدۃ۔ مکۃ)" (۱۲ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۵۳ء)

ترجمہ:۔ ہم عربی اور اسلامی ممالک کو ایسی عظیم الشان خوشخبری سناتے ہیں جس کے لئے سالہا سال سے تمام عرب اور مسلمان بے قرار تھے یعنی کہ ملک معظم شاہِ حجاز نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ ان کے عہد کی مبارک اصلاحات کا آغاز اس طرح کیا جائے کہ ایک طرف تو حجاز ریلوے پر دمشق، عمان اور مدینہ کے درمیان ریل جاری کر دی جائے اور دوسرے ریاض، مدینہ، جدہ اور مکہ کو ملانے والی ریلوے لائن کو جلد تر مکمل کیا جائے۔"

الفرقان ۔ ہم شاہِ حجاز کے اس مبارک فرمان کو شائع کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں کیونکہ اس طرح جہاں حُجاج کو سفر میں ہر طرح سے سہولت میسر آئے گی وہاں قرآن مجید کی عظیم الشان پیشگوئی کا مزید اور نمایاں تر ظہور ہوگا۔ اللہ تعالےٰ شاہِ حجاز کو اس کام کے جلد پورا کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین +

قرآن مجید کی وحی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ

(۵)

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو الفرقان ماہ اگست ستمبر ۱۹۵۳ء

از قلم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ

سورہ مریم کی بشارت عظیم کا ماحصل

سورہ مریم میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ ویسا ہی سلوک رحمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جائے گا جیسا کہ زکریا نبی سے ہوا۔ جبکہ انہیں اپنے بعد کے آنے والے وارثوں کی وجہ سے خوف و قلق پیدا ہوا۔ انہوں نے کہا۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ○ (سورہ مریم آیت ۶-۷)

یعنی مجھے ڈر ہے اپنے مابعد کے وارثوں کے متعلق اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو مجھے ایسا جانشین عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔

یہی شدید خوف اور نہایت درجہ قلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوا۔ جب مسلمانوں کے متعلق آپ کو یہ بتایا گیا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ○ یعنی ان (عباد الرحمٰن) کے بعد ایسے نالائق لوگ جانشین ہو گئے جنہوں نے نماز ضائع کر دی اور شہوات کے پیچھے لگ گئے۔ ان کو عنقریب اپنی کجروی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ یہی انذار وہ یاس شدید ہے جس کا ذکر سورہ کہف میں ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد تین صدیوں کو اچھی صدیاں قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا اور بجائے خلافت راشدہ کے ایسی بادشاہت قائم ہو جائے گی جو رعایا کو کاٹ کاٹ کر کھائے گی۔ اس بارے میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:۔

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ یَفْشُو الْکِذْبُ۔

یعنی سب سے بہتر صدی میری ہے۔ پھر ان لوگوں کی جو معاً ان کے بعد ہوں گے۔ اور پھر ان لوگوں کی جو معاً ان کے بعد ہوں گے۔ یعنی تابعین اور تبع تابعین۔ اور پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

امت کے بگڑنے کے متعلق آنحضرت صلعم کی تصریحات

اور پھر کھلے الفاظ میں فرمایا:۔

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا فِیْ جُحْرِ ضَبٍّ لَتَبِعْتُمُوْهُمْ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی قَالَ فَمَنْ ۔ (مسلم کتاب العلم [illegible] مطبوعہ مصر)

یعنی تم بھی ضرور ضرور ان لوگوں کے رسم و رواج کی پیروی کرو گے جو تم سے پہلے ہیں

بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بِل میں داخل ہوئے تو تم بھی ضرور ان کے پیچھے جاؤ گے۔ ہم نے کہا۔ یا رسول اللہ کیا یہود اور نصاریٰ کی (پیروی کریں گے؟) فرمایا۔ اور کس کی۔!

اِسی طرح آپؐ نے مسلمانوں کے تفرقہ کے متعلق بھی بایں الفاظ خبر دی کہ:۔

لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی عَلٰی
بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ
حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّهٗ
عَلَانِیَةً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَصْنَعُ
ذٰلِکَ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ
عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً۔
تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ
مِلَّةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ[1] اِلَّا وَاحِدَةً
قَالُوْا مَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ
مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ۔

اور ایک دوسری روایت میں آخری الفاظ یہ ہیں:۔

ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ وَوَاحِدَةٌ
فِی الْجَنَّةِ وَهِیَ الْجَمَاعَةُ۔

یعنی میری اُمّت پر ویسا ہی زمانہ آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا۔ ان میں ایسی مشابہت ہوگی جیسی ایک جُوتی سے دوسری کو۔ یہانتک کہ اگر ان میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہوا جس نے اپنی ماں سے کھُلے طور پر بدکاری کی تو میری اُمّت میں بھی ویسا شخص ہوگا جو ایسا کرے گا۔ بنی اسرائیل تو بہتّر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور میری اُمّت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یہ سارے فرقے آگ میں ہوں گے سوائے ایک کے۔ صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ! وہ کون؟ فرمایا جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریق پر ہوگا"

دوسری حدیث کے آخری حصّہ کا ترجمہ یہ ہے:۔

"بہتّر فرقے آگ میں ہوں گے اور ایک جنّت میں اور وہ جماعت ہوگی"

یہ دوسری روایت اس طرح ختم ہوتی ہے:۔

وَاِنَّهٗ سَیَخْرُجُ فِیْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ
تَتَجَارٰی بِهِمْ تِلْکَ الْاَهْوَاءُ کَمَا
یَتَجَارَی الْکَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَا یَبْقٰی
مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصَلٌ اِلَّا دَخَلَهٗ (مشکوٰۃ

[1] "کُلُّهُمْ فِی النَّارِ" سے مراد یہ ہے کہ جیسے آگ تباہ کرتی ہے اسی طرح وہ ایک دوسرے کو تباہ کریں گے۔ قرآن مجید میں انہی معنوں میں لفظ "النَّار" وارد ہوا ہے۔ جہاں فرمایا ہے وَاذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا (آل عمران آیت ۱۰۴) اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو تمہارے دلوں میں اُلفت ڈالی۔ اور پھر تم بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ اتحاد نجات یافتہ قوم کی علامت ہے اور تفرقہ و انشقاق اہل النار کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب قبائل اپنی باہمی عداوتوں اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے آگ کے گڑھے میں گر کر تباہ ہونے کو ہی تھے کہ یکایک آپؐ نے انہیں سنبھال لیا اور ان کو بھائی بھائی بنا دیا۔ لیکن ایک زمانہ آیا کہ پھر سابقہ حالتِ تفرقہ اور جنگ و جدال مسلمانوں میں عود کر آئی اور جیسا کہ آپؐ نے فرمایا تھا پُورا ہوا۔ یعنی کُلُّهُمْ فِی النَّارِ۔

یعنی میری اُمت میں یقیناً ایسے لوگ بھی ہونگے
کہ شہوتیں انہیں بے قابو اور بے بس کردیں گی
جیسے سگِ دیوانہ کو اس کا دیوانہ پن بے بس
کردیتا ہے جو اس کے رگ و ریشہ اور جوڑ جوڑ
میں اثر انداز ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اندیشہ درحقیقت شرح ہے سورۂ مریم کی اس آیت کی۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ آپ نے فرمایا۔

يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ۔

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

"عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا
کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن
کے صرف حروف۔ ان کی مسجدیں بلند اور خوبصورت
ہوں گی مگر وہ ہدایت سے خالی ہوں گی اور ان
کے عالم آسمان کے نیچے سب سے بدترین مخلوق
ہوں گے۔ انہیں سے فتنہ پیدا ہوگا اور انہیں
میں لوٹے گا۔"

یہ چند ایک حوالے جو اوپر دیئے گئے ہیں قیاسی نہیں بلکہ علم غیب کی باتیں ہیں جو علیٰ وجہ البصیرت پورے یقین اور وثوق سے آپ نے فرمائیں۔ یہاں تک کہ اس بارے میں جو آپ کو مکاشفہ ہوا اس کی بناء پر آپ نے تین صدیوں کی آخری حد بھی مقرر فرمادی کہ اس عرصہ تک مسلمان اچھے رہیں گے اور پھر فیج اعوج یعنی ٹیڑھا زمانہ شروع ہوگا۔

آنحضرت صلعم کا اپنی اُمت کے متعلق قلق

اس یقینی خبر پر آپ کو جو قلق ہوا ہوگا اس کا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ زکریا علیہ السلام کی جس حالتِ زار اور بے قراری کا نقشہ سورۂ مریم کی ابتدائی آیات میں کھینچا گیا ہے آپ کا غم و اندوہ اس سے کم نہیں ہوسکتا۔ آپ کی اُمت تو اپنی ہے غیروں کی بے راہروی اور گمراہی پر آپ کا یہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات میں فرماتا ہے۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ کہ شاید تو اپنے تئیں ان (یہود) کے پیچھے اسے غم کے ہلاک کردے گا کہ وہ اس نبی خبر کو نہیں مانتے جو ان کے متعلق بیان کی گئی ہے۔ جب عیسائیوں کی ہلاکت اور ان کے انجام کی خبر پر آپ کے غم و اندوہ کا یہ حال ہے تو اپنی اُمت کے بگڑنے کے متعلق جو وحی ہوئی اس کی وجہ سے آپ کا کیا حال ہوا ہوگا؟

حدیث میں آتا ہے جب آپ بسترِ مرگ پر تھے اور بیماری کا غلبہ تھا۔ شدتِ بخار کی وجہ سے کبھی کپڑا اپنے منہ پر رکھتے اور کبھی اٹھاتے اور آپ کی زبان سے اپنی بیماری کی شدت کے بارے میں سوائے کپڑا اٹھانے اور ڈالنے کے کبھی قسم کا اظہار نہ ہوا لیکن اپنی اُمت کے متعلق فکر تھا کہ مسلمان کہیں آپ کی قبر کو عبادتگاہ نہ بنالیں جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادتگاہ بنا لیا ہے۔ آپ بار بار فرماتے۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ (بخاری) کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنی رحمت سے دور کردیا۔ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

آپ کی تیمارداری کرنے والے کہتے ہیں کہ آپ یہ الفاظ ہم مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے فرماتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ہم بھی اسی طرح کریں جس طرح انہوں نے کیا۔ ایسی شدید بیماری میں

جس میں موت نظر آرہی ہو سوائے اپنے نفس کی تکلیف کے انسان سب کچھ بھول جاتا ہے لیکن آپ کی ذات جو رحمۃ للعالمین ہے جس کا دل بنی نوع انسان کے لئے غایت درجہ شفقت سے لبریز تھا، آپ کا یہ حال ہے کہ اپنی بیماری کی شدت میں اگر کوئی فکر و غم اور گھبراہٹ ہے تو یہ کہ آپ کی اُمت کے قدم صراطِ مستقیم سے نہ اُکھڑ جائیں۔

حضرت زکریا کا سا سلوک اور اس کی وضاحت

سورۂ مریم کی آیات کے نزول پر یقیناً آپ کی حالت زکریا نبی کی حالت سے کم نہ تھی بلکہ بہت بڑھ کر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ مریم کی آیت ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا میں آپ کو آنے والے یاس شدید کی خبر کے ساتھ یہ تسلی دی گئی ہے کہ تیرا رب تجھ سے بھی رحمت کا ویسے ہی سلوک کریگا جیسا کہ زکریا سے کیا اور یہ کہ یاس شدید کے ان ایام میں (وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا) تیرا رب بھولنے والا نہیں۔

قدیم عہد نامہ کی آخری دو کتابوں میں سے پہلی کتاب زکریا (۲) کے پہلے باب میں ہی یہ ذکر پایا جاتا ہے۔ کہ رب الافواج نے ان کو اپنے کلام سے تسلی دی کہ بنی اسرائیل جو خدا کی راہ سے برگشتہ اور اس کی ناراضگی کا مورد ہو چکے ہیں اور اس وجہ سے زمین کے چاروں اطراف میں پراگندہ اور غیر قوموں کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں اب خدا تعالیٰ نئے سرے سے ان پر دوبارہ نظر کرم فرمائے گا اور ان پر رحم کر کے اپنے مقدس شہر میں ان کو پھر واپس لائیگا جیسا کچھ خدا چاہتا ہے۔

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں رحمت کے ساتھ یروشلم کو واپس آیا ہوں۔ اس میں میرا مسکن تعمیر کیا جائے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔ اور یروشلم پر پھر سوت کھینچا جائے گا۔

پھر بلند آواز سے کہہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ میرے شہر دوبارہ خوشحالی سے معمور ہوں گے کیونکہ خداوند پھر صیہون کو تسلی بخشیگا اور یروشلم کو قبول فرمائے گا۔" ($\frac{1}{17-16}$)

یہی مضمون آٹھویں باب کا ہے یعنی یہ کہ خدا تعالیٰ کے کلام نے زکریا علیہ السلام کو یہ بشارت دی کہ بنی اسرائیل جو خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے ہیں ان پر دوبارہ رجوع برحمت ہوگا۔

مسلمانوں کے لئے بھی برگشتگی، تفرقہ، ابتلاء اور یاس شدید مقدر تھا جس سے نجات دینے کی بشارت جس طرح کہ سورۂ کہف کی آیاتِ بیّنات میں دی گئی اسی طرح سورۂ مریم میں بھی دی گئی۔ اور اس نجات کی صورت و شکل کو واضح کیا گیا کہ وہ کیونکر ہوگی اور ان کے اس احیائے ثانی اور تجدید کی مناسبت سے ہی اس بشارت کو زکریا نبی کے واقعہ سے شروع کیا۔ کیونکہ اس نبی سے جو وعدہ کیا گیا تھا اس کی تکمیل ان کے بیٹے یحییٰؑ اور ابن مریمؑ کے ذریعہ سے کی گئی۔ یہ انبیاء بنی اسرائیل کے دوسرے دَور کے لئے بانی مبانی تھے۔ ان کا حوالہ دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ زکریاؑ اور ان کے بیٹے اور مریمؑ اور ابن مریمؑ کا سا سلوکِ رحمت آپ کی اُمت کے دَورِ ثانی میں کیا جائے گا۔ یہ تعلق ہے سورۂ مریم کا سورۂ کہف سے اور مسلمانوں کے دَورِ ثانی سے تاکہ اس ... کے ذریعہ سے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کی غرض و غایت پوری ہو۔ یہ غرض و غایت سطح زمین پر اس دنیا میں اُس آسمانی بادشاہت کا قیام ہے جس کے متعلق قدیم سے انبیاء پیشگوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ یسعیاہؑ فرماتے ہیں:-

"دیکھو تو سب پیشگوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتلاتا ہوں۔ اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ خداوند کیلئے ایک نیا گیت گاؤ۔ اے تم جو سمندر پر گذرتے

ہو، اور تم جو اس میں بستے ہو۔ اے بحری ممالک اور اس کے باشندو! تم زمین پر اس کی ستائش کرو۔ بیابان، اس کی بستیاں، قیدار (قریش) کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے سلع کے بسنے والے ایک نیا گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے۔ اور خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ اور بحری ممالک میں ثنا خوانی کریں گے۔ ..... وے پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے اِلٰہ ہو ..... دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ہوں اور میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی۔ اور قوموں کے درمیان عدالت کو جاری کرائے گا ..... کہ دائم رہے۔ اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا۔ نہ مسلا جائیگا جب تک کہ راستی کو قائم نہ کرے۔ اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں ..... وہ شریعت کو بزرگی دیگا۔ اور عزت بخشے گا۔" (یسعیاہ : ۴۲)

سورۂ مریم میں حضرت زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی بعثت کا حوالہ کیوں دیا گیا ہے

حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام کی بعثت کی غرض بھی درحقیقت یہی تھی کہ بنی اسرائیل کے سارے گھرانوں کو اس عظیم الشان استقبال کے قبول کرنے کے لئے تیار کیا جائے جس کے مبارک ہاتھوں سے بڑھ کر بحرین آسمانی بادشاہت قائم ہونے والی تھی اور ابدی شریعت نے بزرگی حاصل کرنی تھی۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام یسعیاہ کی یہی پیشگوئی دُہراتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"توبہ کرو۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا ذکر یسعیاہ نبی کی معرفت یوں ہوا کہ بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو۔ اور اس کے راستے سیدھے بناؤ۔ صحرا میں ہمارے خداوند کے لئے ایک سیدھی راہ تیار کرو ..... ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا۔"

(متی باب ۳ : ۲)

حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کے تمام قبائل میں چکر لگا کر انہیں اس قائم ہونے والی بادشاہت کے قبول کرنے کے لئے تیار کیا۔ اور جب آپ نے اپنے حواریوں کو منادی کرنے کی غرض سے باہر بھیجا تو انہیں یہی ہدایت کی کہ :" چلتے چلتے اِس بات کی منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت قریب آگئی ہے۔" (متی ۱۰/۷)

اور اس مخصوص بشارت کو انہوں نے اپنی دُعا کا حصّہ بنا دیا :" تیری بادشاہت آئے۔ تیری مرضی جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔"

اور فرمایا :-

"میں اسلئے بھیجا گیا ہوں کہ خدا کی بادشاہت کی خوشخبری سُناؤں۔" (لوقا ۴/۴۳)

پس جس طرح کہ بنی اسرائیل کے احیاء کا دورِ ثانی اِس منادی سے ہوا اسی طرح مسلمانوں کا دورِ تجدید بھی اسی غرض وغایت کے ساتھ شروع ہونے والا تھا کہ تا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے قائم شدہ آسمانی بادشاہت دوبارہ قائم ہو جس کے لئے یہ ازل سے مقدر تھا کہ وہ دجّال کے ہاتھوں پامال ہونے کے بعد پھر سنبھلے اور بحال ہو اور پہلے سے بڑھ کر شان و شوکت کے ساتھ جلوہ افروز ہو تاکہ اس کے ذریعہ سے دُنیا

کی ساری قوموں کے درمیان عدالت جاری اور راستی قائم کی جائے اور بحری ممالک میں جہاں شریعت کو لعنت قرار دیا گیا ہے اس کو بندگی حاصل ہو۔ اس غرض و غایت کی مناسبت ہی کی وجہ سے سورۂ کہف کے بعد سورۂ مریم کا نزول ہوا۔ اور اس میں بنی اسرائیل کے احیاء کے دورِ ثانی کا ذکر کرتے ہوئے ان تین نبیوں کا ذکر مقدم کیا گیا ہے جنہوں نے آسمانی بادشاہت کے قائم ہونے کی اس وقت منادی کی جب اس کا زمانہ قریب آنے کو تھا۔ دانیال ۲/۴۴ میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ رومی بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی۔ اور وہ سلطنت دوسروں کے قبضہ میں نہ پڑیگی۔ اور وہ ان سب سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگی اور وہی تا ابد قائم رہے گی۔"

اور اسی دانیال نبی نے یہ بھی اطلاع دی تھی کہ خیال حق تعالے کے مقدسوں کو ابتلا میں ڈالے گا اور ان سے ان کی بادشاہت چھین لے گا لیکن آخر وہ ہلاک کیا جائیگا۔ یہ ایک اجمالی پیشگوئی تھی۔ اس پیشگوئی کی تفصیل سورۂ کہف اور سورۂ مریم میں دی گئی ہے۔ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات میں مومنوں کو باسِ شدید سے آگاہ کیا اور یہ بشارت دی۔ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝ کہ ان کی محنت کا بدلہ دائمی ہے۔ یعنی جو آسمانی بادشاہت ان کے ہاتھ سے قائم ہوگی وہی تا ابد قائم رہیگی۔ اور اس کے ذریعہ سے شیطانی مملکتیں ٹکڑے ٹکڑے اور نیست و نابود کر دی جائیں گی۔

موعودہ انذار و بشارت کی مزید وضاحت مابعد کی سورتوں میں

اب نہایت اختصار سے میں سورہ طٰہٰ، سورۂ انبیاء اور سورۂ حج سے چند ایک باتیں مزید وضاحت کی غرض سے پیش کرتا ہوں جن کا تعلق بھی درحقیقت سورۂ کہف اور سورۂ مریم کی دو منذر و مبشر پیشگوئیوں سے ہی ہے۔ ان میں ان پیشگوئیوں کے متعلق نئی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرنے والی دجالی قوموں کا حلیہ، ان کے غلبہ اور تباہی کی میعاد، اس تعلق میں سابقہ انبیاء کی پیشگوئیوں سے قرآن مجید کی مذکورہ پیشگوئیوں کا توافق، یاجوج و ماجوج کا سمندر پر تسلط، ان کا دُنیا میں پھیلنا اور ان کے ذریعہ سے برباد بستیوں کی تعمیر نو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ابدی بادشاہت کو ان اقوام سے خطرۂ عظیم پیدا ہونا اور پھر اس خطرہ سے سلامتی کے ساتھ نجات پانا۔ بیت اللہ کی ابدی حفاظت کا وعدہ۔ تمام قوموں کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کا باعث رحمت بننا اور توحید جو انبیاء کی بعثت کی اصل غرض و غایت ہے اسے دُنیا میں بحال کرنے کی صراحت۔ وغیرہ وغیرہ۔

موعودہ انذار و تبشیر کے بارہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یقین کامل کے مقام پر تھے۔

یہی موضوع ہے ان سورتوں کا بھی اور یہی مآل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کا کہ مجھے اس ذات ہی کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ابن مریم ضرور حَکم و عدل ہوکر تم میں نازل ہوگا۔ وہ تمہارا امام ہوگا جو تم میں سے ہوگا صلیب توڑے گا اور دجال کو قتل کرے گا۔

کتنی عظیم الشان یہ وحی ہے اور کتنی ہی عظمت والی یہ تجلی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح طور پر ہوئی۔ آپ کو اس تجلی کے متعلق علیٰ وجہ البصیرت یقین تھا اور کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا کہ یہ کیونکر پوری ہوگی۔ اور نہ ہی دجال کے متعلق آپ کو اشتباہ پیدا ہوا کہ وہ کس صورت و شکل میں ظاہر ہوگا۔ اگر اس کے متعلق کوئی شک و تردد ہوتا تو آپ اپنی اُمت کو یہ نہ فرماتے کہ دجال سے محفوظ

رہنے کا نسخہ یہ ہے کہ سورۃ کہف کی آیات پڑھنا۔ اور نہ آپ کو ابن مریم کی شخصیت کے متعلق کبھی اشتباہ ہوا کہ وہ کون ہوگا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وفات مسیح کی تیس آیات عربی زبان میں نازل ہونے کے بعد بھی گویا آپ پر یہ واضح نہ ہوا کہ اسرائیلی ابن مریم فوت ہو چکے ہیں یا بجسدہ العنصری زندہ اور یہ کہ قاتل دجّال وہی پہلے ابن مریم ہیں یا کوئی اور۔ اگر ان کی وفات یا آسمان پر جانے کے متعلق آپ کے ذہن میں کوئی تردد ہوتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ مسیح ابن مریمؑ دنیا میں ایک سو بیس سال زندہ رہے اور میں ساٹھ سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔[1]

اس فوت شدہ ابن مریمؑ سے عالم ملکوت میں آپ کی ملاقات ہوئی اور اس ابن مریمؑ سے بھی ملاقات ہوئی جو قاتل دجّال ہے۔ اسرائیلی ابن مریم کا حلیہ یہ بیان فرمایا اَحْمَرُ اللَّوْنِ۔ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ۔[2] اور قاتل دجّال ابن مریمؑ کا حلیہ الگ بیان کیا۔ فرمایا۔ رَأَيْتُنِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَرَأَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلَ الشَّعْرِ۔[3] یعنی قاتل دجّال ابن مریم کو دیکھا کہ نہایت ہی خوبصورت گندمی رنگ ہے۔ اس کے سر کے بال گھنگریالے نہ تھے بلکہ سیدھے ملیچھ پر لٹکے ہوئے۔ پس آپ کے اس مشاہدے کے پیش نظر یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ محض نام کے اشتراک کی وجہ سے ان دو مختلف حلیہ رکھنے والے شخصوں کو آپ نے ایک ہی ابن مریم سمجھا ہو۔

وہ عظیم الشان انسان جس کے بارے میں قرآن مجید میں یہ وارد ہوا ہے کہ اُسے اُفق مبین پر سے آئندہ کے واقعات کا مشاہدہ کرایا گیا ہے اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ کاسر الصلیب اور قاتل الدجال شخصیت اُس سے چھپی رہی۔ یہ درحقیقت اپنی ہی جہالت اور نادانی کا اقرار کرنا ہے۔ کیونکہ آپؐ اس کے متعلق پیشگوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔ و امامکم منکم۔ وہ تمہارا امام ہوگا جو تم میں سے ہوگا۔ اس انتہائی بصیرت افروز انتباہ کے باوجود آپؐ کے متعلق ایسا خیال بھی دل میں لانا بہت بڑی سُوء ادبی ہے۔

اس قسم کی تصریحات کے ہوتے ہوئے محض نام کے اشتراک سے اُس شخص کو دھوکا لگ سکتا ہے جو لفظ توفی کے معنوں سے ناواقف ہو، لفظ رفع کے معنوں سے نابلد اور جس کی نظر سے سورۂ تحریم کی آخری آیات بھی اوجھل ہوں جن میں اعلیٰ درجہ کے مومن کو مریم بنت عمران سے مشابہت دیکر اس کے متعلق وعدہ کیا گیا ہے کہ اُسے مریمی صفت سے مسیحی صفت بنایا اور روح القدس کی تجلی سے نوازا جائے گا۔ گویا وہ اپنے روحانی سلوک کی پہلی منزل میں عفت اور معصومیت کے لحاظ سے مریم ہے اور دوسری منزل میں ابن مریم۔ ہاں جو سورۂ تحریم کی آخری آیات سے ناواقف ہو اُسے تو یقیناً محض ابن مریم کے نام سے دھوکا لگ سکتا ہے مگر اُس انسان کو کسی نام کے اشتراک سے کبھی غلط فہمی نہیں ہو سکتی جو حقیقت آشنا ہے اور جسے تمام آیات بیّنات پر عبور ہے۔ آپؐ کی ذات والا ستودہ صفات موردِ تجلیاتِ الٰہیہ اور سراپا نورٌ علیٰ نور تھی۔ آپؐ کے متعلق ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ آپؐ جب اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر صحابہ کرامؓ سے فرماتے تھے کہ ضرور ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور یہ کہ تمہارے امام تم میں سے ہی ہوا کریں گے۔ تمہارے اختلافات کو مٹانے کے لئے آئیگا اور جو فیصلہ دیگا حق و انصاف سے دیگا صلیب کو توڑیگا

---

[1] یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور اسکے راوی ثقہ ہیں۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸

[2] بخاری جلد دوم

[3] بخاری جلد دوم

خنزیر کو قتل کرے گا۔ دجّال اس کے ہاتھوں سے تباہ و برباد ہوگا۔

جب آپ اس قسم کے الفاظ سے صحابہؓ کو مخاطب فرماتے تھے تو یہ خیال درست نہیں کہ گویا آپ کی نظر صرف ظاہری الفاظ تک محدود تھی۔ قتلِ خنزیر سے سؤر کا شکار سمجھتے تھے، کسرِ صلیب سے لوہے تانبے کی بنی ہوئی صلیبوں کو توڑنا مراد تھا۔ ابن مریم سے مراد آپؐ کے نزدیک وہی ابن مریم تھا جس کے فوت ہونے کے بارے میں آیات نازل ہو چکی تھیں۔ اور جب آپؐ لوگوں سے یہ فرما رہے تھے وامامکم منکم تو آپؐ یہ سمجھتے تھے کہ قاتلِ دجّال اور کاسرِ صلیب تو بنی اسرائیل میں سے ہوگا اور کسی مسجد کا نماز پڑھانے والا امام ہوگا جو نہیں نماز پڑھائے گا۔ اسی طرح جب آپؐ یہ مخصوص پیشگوئی فرماتے تھے تو گویا آپؐ کے ذہن سے سورۂ کہف اور سورۂ مریم کا موضوع اور اس کا سیاق و سباق اور مکاشفات اور آپؐ کے مشاہدات سب کالعدم تھے۔ اپنے آقا سید نا سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا خیال کرنا کتنا بھونڈا اور کتنا ہی مکروہ اور قابلِ نفرت ہے!۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ سورۂ مریم کی ابتدائی آیات ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا کا صرف یہ مطلب ہے کہ پرانے قصّوں کو خالی دہرا کر آپؐ کی دلجوئی کی جائے کہ باہر شدید کا خطرہ گو بہت ہی خطرناک ہے مگر اس سے نجات پانے کا نسخہ یہ ہے کہ تو زکریاؑ، یحییٰؑ، مریمؑ اور اس کے بیٹے عیسیٰؑ کا نام لے لے کر انہیں یاد کر۔ کیا خالی انہیں یاد کرنے سے آپؐ کو جو غایت درجہ فکر مند تھے کچھ بھی دلجوئی ہو سکتی ہے تاوقتیکہ ان کے ذکر سے یہ مراد نہ ہو کہ جس طرح ان انبیاء کی اُمتوں کو آڑے وقت میں سنبھالنے کے لئے رحمت کا سامان کیا گیا اسی طرح تیری اُمّت کے سنبھالنے کے لئے بھی ویسے ہی رحمت کا سامان کیا جائے گا۔

یقیناً سورۂ مریم میں ان انبیاء کا ذکر کرنے سے صرف اور صرف یہی مراد ہے کہ جس طرح زکریاؑ کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے اپنا عہد یاد کر کے دوبارہ چاہا کہ بنی اسرائیل کا "لوٹا ہوا مقدس" واپس دیا جائے اور وہ دیا گیا۔ اور اُجڑی ہوئی زبوں حال قوم کو دوبارہ معمور کیا جائے اور وہ معمور کی گئی۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے ساتھ بھی وعدہ ہے کہ اُسے دوبارہ معمور کیا جائے گا اور جس صلیب نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کیا اُسے وعدہ کے مطابق اس کے عیسوی صفت ہمنام کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا۔ جس دجّال نے حق تعالیٰ کے بندوں سے اُن کی سلطنت چھین لی، ان کے تاکستان کو بے ثمر بنایا، انکی کھیتی کو اُجاڑا اُسے ہمیشہ کے لئے ہلاک کیا جائے گا۔

زکریاؑ کی کتاب پڑھیں، بار بار پڑھیں۔ ربّ الافواج نے ان کے ذریعہ سے پامال شدہ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے ان الفاظ سے خوشخبری دی تھی :-

"اے بنی اسرائیل! جس طرح تم دوسری قوموں میں لعنت تھے اسی طرح میں تمکو چھڑاؤنگا اور تم برکت پاؤ گے۔ ہراساں نہ ہو بلکہ تمہارے ہاتھ مضبوط ہوں کیونکہ ربّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ جس طرح میں نے قصد کیا تھا کہ تم پر آفت لاؤں۔ جب تمہارے باپ دادا نے مجھے غضبناک کیا اور میں اپنے ارادہ سے باز نہ رہا۔ ربّ الافواج فرماتا ہے اسی طرح میں نے اب ارادہ کیا کہ یروشلم اور یہوداہ کے گھرانوں سے نیکی کروں۔ پس تم ہراساں نہ ہو"

(باقی پھر)

نوٹ :- قرآن مجید کا ایک حصّہ ایسا ہے جس کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آیات بیّنات کا پس منظر بلحاظ لغت اور مخصوص پیرایۂ زبان عربی بلحاظ تاریخی واقعات اور بلحاظ پیش آمدہ واقعات کے ان آیات کی تطبیق مدنظر رکھی جائے۔ علاوہ وحی الٰہی کا مخصوص اسلوب بیان بھی +

تحقیق اُمّ الالسنہ

(یعنی)

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونے کا قطعی ثبوت

(۱۳)

ازقلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور

فارمولا رفع خفت

اور

فارمولا رفع ثقالت

"وکلما یرد لفظ الی منتہا مقام الرد ویفتش اصلہ بالجہد والکد فتری انہ عربیۃ ممسوخۃ کانہا شاۃ مسلوخۃ۔ وتری کل مضغۃ من ابدانہ عربی مبین۔ اور جب کوئی ایک لفظ اس کی اصل تلاش کرتے کرتے محنت اور کوشش کے ساتھ انتہائی درجہ تک پہنچایا جائے پس تو دیکھیگا کہ وہ عربی مسخ شدہ ہے گویا کہ وہ ایک بکری ہے جس کی کھال اتار لی گئی ہے اور تو اس کے ہر ایک ٹکڑے کو عربی کے ٹکڑوں میں سے پائے گا۔"

(منن الرحمٰن ص۳)

اب تک جو فارمولے بیان ہوئے ہیں وہ صاف اور واضح ہیں [illegible] فارمولوں کی طرف آتے ہیں جو دراشکل اور دقت نظر کے محتاج ہیں کیونکہ ان فارمولوں کے ماتحت ایسے الفاظ کو عربی سے ماخوذ ثابت کیا جانا مطلوب ہے جن کے چہرے مسخ ہو گئے ہیں یا جن کی کھال کھینچ لی گئی ہے اور پھر وہاں تو پیکر ایک لوتھڑا یا مضغہ بنا دیا گیا ہے لیکن یہ بگاڑ بھی ایک مستقل اور معین اصول کے ماتحت ہوا ہے۔

مندرجہ صدر دو فارمولوں کا تعلق S-K اور G کے ایک خاص ابدال سے ہے اور یہ امر قدرے تمہید چاہتا ہے۔

(۱) جاننا چاہیئے کہ ک اور گ کے فرق سے پانچ حروف

بدلتے ہیں۔ اور اصلِ ‌سول ان تمام تبدیلیوں کا یہی ہے کہ گراں یا ثقیل حرو‌ٖ سُبک یا خفیف ہوجاتا ہے یا اس کے برعکس سُبک یا خفیف حرف گراں یا ثقیل ہوجاتا ہے اور ہر حرفِ تہجّی کے لیے بلحاظ خفت یا ثقالت ایک مقررہ اصول اور دائرہ ہے جس کے ماتحت اس حرف کا اِبدال ہوتا ہے۔ گویا حروف کا ابدال اپنے مدّ وجزر یا زیر و بم کی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے۔

(ب) کسی حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو تو اس کے قبل ہمزہ مفتوح لاکر اسے ساکن کردو اور پھر اسے ادا کرو تو حرف کا مخرج محسوس و متعین ہوجائے گا۔

(ج) عربی حروفِ تہجّی کے لحاظ سے حروف کے سترہ مخارج قائم کئے گئے ہیں لیکن تحقیق ام الالسنہ کے لحاظ سے ہمیں عربی حروفِ تہجّی کے مخارج اور ان کے باریک فرقوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں عجمیوں کے مسلّمہ مخارج سے ہی کام لینا پڑے گا جن کا تعلق آرین زبانوں یعنی سنسکرت، لاطینی، یونانی وغیرہ سے ہے۔

(د) سنسکرت والوں کے نزدیک حروف کے کُل آٹھ مخرج ہیں اور ان کے نزدیک ک، کھ، گھ اور نیز الف کا مخرج حلق ہے۔ اور چونکہ عین اور ہائے ہوز اور حائے حطّی کا مخرج بھی اس کے قریب ہی واقع ہے اسلئے عجمی لہجوں کے لحاظ سے K اور A - H حروفِ حلقی اور نیم حلقی ہیں جو آپس میں بدل جاتے ہیں یعنی K جو گراں ہے سُبک ہوکر A یا H میں بدل جاتا ہے اور اس کے برعکس A اور H جو سُبک ہیں گراں ہوکر K کی آواز اختیار کر لیتے ہیں۔

(ھ) واضح رہے کہ K̈ سے ہماری مراد ہے K-G-C-Q خ - غ - ق - ک - ح اور Ä سے ہماری مراد ہر ایک واول یعنی a - e - i - o - u - y - الف اور عین۔ کیونکہ گو ان کی کتابت مختلف ہے لیکن صوتی اعتبار سے یہ ہم آہنگ ہیں یا ادنیٰ فرق جو قابلِ لحاظ نہیں۔ S̈ سے ہماری مراد ہے C - S - SH - چ - Z - P - ث - س - ص - ش - کیونکہ یہ بھی کم و بیش ہم آواز ہیں۔

(و) K اور S کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں شقیق ہیں۔ باہم متبادل ہیں اور نیز (چ) ان کی حقیقی منجھلی بہن ہے جو کبھی K کا بدل ہوتی ہے اور کبھی S کا۔ کیونکہ چ عربی تہجّی میں نہیں۔ اس لئے ہزاروں الفاظ کا حل صرف اتنی سی بات پر موقوف ہے کہ (چ) کا ابدال S میں کیا جائے یا K میں۔

(ز) G یعنی جیم حرفِ لہوی ہے۔ خفیف ہوکر Z میں بدل جاتا ہے۔ اور اس سے بھی پرے (ی) یعنی y میں بدل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۵ پر درج ہے کہ y کی بجائے G مستعمل ہے۔ مندرجہ صدر بیانات سے ظاہر ہے کہ S-K-G سُبک ہوکر کسی واول میں بدل جاتے ہیں یا H میں بدل جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں

(ح) K حرفِ حلقی ہے۔ زور اور ثقل سے ادا ہوتا ہے۔ لیکن بعض حلق اسے آسانی سے ادا نہیں کرسکتے اسلئے حلق کی بجائے ہونٹ سے کام لیتے ہیں پس K کو B یا F یا W سے ادا کرتے ہیں۔

(ط) جب K اور S کسی واول میں بدلتے ہیں تو واول گر بھی جاتا ہے۔ لہٰذا K اور S غائب ہوجاتے ہیں۔ اسلئے اِن دونوں کو از سرِ نو اپنے پاس سے اضافہ کرکے لفظ کی ہیئت قائم کرنی پڑتی ہے۔ "S کا ابدال جب H میں ہوتا ہے تو بسا اوقات H گر جاتا ہے۔" (جیفرسن صفحہ ۱۹۹)

(ی) مندرجہ بالا بیانات فلالوجی والوں کے مسلّمہ اصول

ہیں کوئی راقم کی ایجاد نہیں ؎

تیاوردم از خانہ چیزے نخست

ہاں ان مسلمہ اصولوں کو عربی زبان پر چسپاں کرنے کی کبھی کسی نے زحمت گوارا نہیں کی۔ ورنہ اگر یہ حجاب دُور ہو جاتا تو عربی ماخذ صاف اور شفاف شکل میں دستیاب ہو جاتے۔

مذکورہ بالا نظری امور مثالوں سے واضح ہو جائینگے۔

I

(a) K متبادل ہے کسی واول یا A سے مثلاً:۔

Cunde	cul	گستاخ
unde	uli	استاخ

(b) K متبادل ہے H سے مثلاً:۔

Collis	Cornu	خالد	خانم	خلیل
Hill	Horn	حالد	ہانم	حلیل

(c) K متبادل ہے F سے مثلاً:۔

ڈھانکنا	Gall	الخیاط	Qunqr
ڈھانکنا	Pall	alfiah	funf

(d) K متبادل ہے W سے مثلاً:۔

Gage	Gallop	Guard
wage	wallop	ward

(e) G متبادل ہے Y سے مثلاً:۔

جوت	Jacob	Call	Joseph
ایاہ (روشنی)	یعقوب	yellow	یوسف

(f) K یا G خفیف ہو کر گر جاتا ہے۔ مثلاً:۔

Saga	hedge	graf	اگر	اگرچہ
Saw	haw	reeve	ار	ارچہ

II

(a) S بدلتا ہے کسی واول میں مثلاً:۔

Stuff	Spouse	Spice	Sponge
etoff	epouse	epice	eponge

یہ اُوپر والے الفاظ انگریزی کے ہیں اور نیچے والے فرانسیسی زبان کے۔

(b) S متبادل ہے H سے مثلاً:۔

مسجد	Serpent	Semi	گھاس
بجد	herpo	hemi	کاہ

(c) S گر جاتا ہے۔ مثلاً Chastisable انگریزی میں ہے جو فرانسیسی میں Chatiable رہ گیا۔ دونو S گر گئے۔

مندرجہ بالا نظری اور سخن گسترانہ امور کو چھوڑ کر اشلۂ صدر کے ماتحت مختصر فارمولا اور مساوات عملی رنگ میں یوں ہے:۔

(ا) رفع خفت سے مراد ہے کسی خفیف حرف کو ثقیل کرنا یا یوں کہو کہ H یا کسی واول کے بدل میں K یا S کو قائم کرنا۔ نیز F یا W کی بجائے K کو لانا۔ نیز گرے ہوئے S یا K کو اپنے پاس سے اضافہ کرنا۔

(ب) رفع ثقالت سے مراد ہے کسی ثقیل حرف کو خفیف کرنا یا یوں کہو کہ S۔ K یا G کی بجائے کوئی واول یا H قائم کرنا۔

اب مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے فارمولا رفع خفت اور رفع ثقالت کی وضاحت ہو جائے گی۔ اور یہ دونو فارمولے ایک دوسرے کا جواب اور عکس ثابت ہوں گے اور دونو فارمولوں کو بالمقابل رکھ کر غور کرنا چاہیئے۔

اصولِ رفعِ خفت

مندرجہ ذیل مثالوں میں کسی واول یا H یا F یا W کو K میں تبدیل کیا گیا ہے

(انگریزی)

۱۔ All = AL = KL = کل۔ تمام

۲- Adder = ADR = KDR = قُدار ۔ [illegible]
سانپ ۔

۳- Egg = EG = KG = کیک ۔ [illegible]
خاگ (انڈا) = KG = [illegible]

۴- Obey = OB = KB = کَبع ۔ مطیع ہونا

۵- Europe = ERP = KRP = غَرب ۔ مغرب

۶- yelp = YLP = KLP = کَلَب ۔ بھونکنا

۷- yellow = YL = KL = قَلَح ۔ زرد ہونا

۸- Lie = Ly = LK = اَلَقَ ۔ جھوٹ بولنا ۔
(رُوٹ lug ہے)

۹- light = Ly (T) = LK = اَلَق ۔ چمکنا
light کا رُوٹ lux ہے ۔

۱۰- Fry (چوزہ) = FRY = FRK = فَرْخ ۔ چوزہ

۱۱- Fright = FRY (T) = FRK = فَرَق ۔ ڈرنا

۱۲- اژدر = YDR = KDR = قُدار ۔ بڑا سانپ

۱۳- اژدہ = YDH = KDH = قذۃ ۔ سانپ

نکتہ:- غرب ۔ یرب ہوکر Europe ہوگیا ہے ۔ یورپ والے اپنے ملک کو غرب نہیں کہہ سکتے تھے ۔ بلکہ قرینہ یہ ہے کہ مشرق والے اسے غرب کہتے ہوں گے ۔ پھر جب وہ مشرق سے اُٹھ کر مغرب میں آکر آباد ہو گئے تو وہی پُرانا لفظ غرب جو اُن کی زبانوں پر تھا قائم رہا گویا نکرہ کثرتِ استعمال سے معرفہ ہوگیا ۔ فتدبر ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

۱۴- Wolf = WLF = KLB = قلوب ۔ بھیڑیا ۔
گویا قلوب کی بجائے وَلوب ہوکر wolf ہوگیا ہے ۔ فرنچ زبان میں K گرکر محض loupe رہ گیا ہے ۔

۱۵- Flag = FLG = KLG = قَلَّخ ۔ کوڑے مارنا

۱۶- Folk = FLK = KLK = خَلْق ۔ لوگ (یہ لفظ فلق ۔ عام لوگ) بھی ہوسکتا ہے ۔ سنسکرت میں K گرکر (لوک ۔ مخلوق) رہ گیا ہے اور ہندی میں "لوگ" یہی لفظ ہے ۔

۱۷- whelp = (کُتّا) = WLP = KLP = کَلْب ۔ کُتّا

۱۸- water = WTR = KTR = قَطْر ۔ بارش (پانی پر اطلاق)

رفعِ خِفّت بلحاظ H

(انگریزی)

مندرجہ ذیل الفاظ میں H بدل ہے K کا ۔

۱- Hole = HL = KL = خَلَّہ ۔ سوراخ

۲- Heal = HL = KL = قَلَہ ۔ شفا پانی

۳- Hill = HL = KL = قوعلہ ۔ پہاڑی

۴- Horn = HRN = KRN = قَرن ۔ سینگ

۵- Heavy = HY = KY = کَبّ ۔ بوجھل ہونا

۶- Heifer = (بچھڑا) = HFR = KFR = غُفْر ۔ بچھڑا

۷- Hero = HR = KR = قریع ۔ سردار، بہادر، ممتاز

۸- Home = HM = KM = کِمع ۔ گھر

۹- Hem (کنارہ) HM = KM = کِمع ۔ کونہ

۱۰- Homage (اطاعت) = HM = KM = قمع ۔ مطیع ہونا ۔

۱۱- Heron = HRN = KRN = کروان ۔ کلنگ
Crave = CRN " "

۱۲- Hire = HR = KR = کَرِی ۔ کرایہ پر دینا

۱۳- Hoop (کھانسی) = HP = KP = قعف ۔ کھانسنا
Cough = CF = " "

۱۴- Hydra (پانی) = HDR = KDR = قَطْر ۔ بارش (پانی پر

اطلاق) یہی لفظ بالتسلیم water ہے۔

۱۵- Hoof = HF = KF = خُف ۔ موزہ (اونٹ کے یہی معنی ہیں)

۱۶- Harvesh = HRV = KRV = خریف ۔ فصل

Crop = CRP = " "

دونو بالتسلیم ایک ہی لفظ ہیں۔

لاطینی

۱- Haereo - چمٹنا = HR = KR = غَرِیَ - چمٹنا

۲- Hebeo - پست ہونا = HB = KB = خَبا - چھپا پڑنا

۳- Hirnea - برتن = HRN = KRN = قِران - بوتل

۴- Hirudu - چیچڑی = HRD = KRD = قُرّد - چیچڑی

۵- Hydra - سانپ = HDR = KDR = قُدّار - سانپ

اصول رفع خفّت بلحاظ اس امر کے کہ K شروع لفظ سے گر گیا ہے اور اسے بڑھانا پڑا ہے

۱- لوک - مخلوق دنیا = LK = KLK = خلق (سنسکرت کا لفظ ہے)

۲- tar = TR = KTR = قَطَرَ - ٹپکنا

۳- tube - نلی = TB = KTB = قَتَب - آنت (جو کہ قدرتی نلکی ہے)

۴- چوب = SB = KSB = خشب ۔ لکڑی

۵- Lock - قفل = LK = KLK = غَلَق - قفل

۶- نُوہ (بیٹے کی زوجہ) = NH = KNH = کَنّہ بیٹے کی زوجہ۔

۷- پیر - بوڑھا = PR = KPR = کبیر - بوڑھا

۸- Loopu - بھیڑیا = LP = KLP = قلوب - بھیڑیا

۹- Mani - موتی = MN = GMN = جُمان - موتی

۱۰- رُفتن - جھاڑو دینا = RF = GRF = جَرَفَ جھاڑو دینا

۱۱- بڑا = BR = KBR = کَبُرَ - بڑا ہونا

اصولِ رفعِ خفّت بلحاظ اس امر کے کہ کوئی واول بدل ہے S کا یا H بدل ہے S کا

۱- epee - تلوار = EP = SP = سَیف - تلوار

۲- epee - جنگی = EP = SP = سَافَ - تلوار سے لڑنا

۳- ur - پستان (سنسکرت) = UR = SR = ضَرّۃ - پستان

۴- ARK - سورج (سنسکرت) = ARK = SRK = شَرَق - سورج

۵- oda - نمناک (سنسکرت) = OD = SD = سَدِیَ - نمناک ہونا

۶- Sah - حاکم (سنسکرت) = SH = SS = سَاسَ - حکومت کرنا

۷- Ana-hut - بن بلایا = HT = ST = صَاتَ - بلانا

۸- ہفتہ = HPT = SPT = سبت - ہفتہ

۹- Johan - تلاش کرنا (سنسکرت) = JH = JS = جَاسَ - تلاش کرنا (جو کہ فارسی میں جُستن ہے)

اصولِ رفعِ ثقالت

مندرجہ ذیل فہرست میں فارمولا رفع خفّت کے بالکل برعکس عمل کیا گیا ہے یعنی K حرفِ ثقیل کو A یا H میں تبدیل کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ دونو فارمولے ایک دوسرے کا جواب اور عکس ہیں جو ایک قدرتی تغیر پر دلیل ہے۔

(انگریزی)

۱- Give (Geben) = GB = HB = وَهَبَ عطا کرنا۔

۲۔ Craze = CRZ = ARZ = عِراض ۔ جنون

۳۔ Cross = CRS = ARS = عَرَض ۔ مقابل پہ دکھنا ۔ کنارے پر ہو جانا ۔

۴۔ Cet (مچھلی) = CT = HT = حُوت ۔ مچھلی

۵۔ Coushion ۔ گدیلہ (N) CSH = HSH = حشیّہ ۔ گدیلہ

۶۔ Calle ۔ رسی = CBL = HBL = حَبَل ۔ رسّی

(سنسکرت)

۱۔ Krisi ۔ کھیتی کرنا = KRS = HRS = حَرَث کھیتی کرنا

۲۔ Karsak ۔ کاشتکار = KRS = HRS = حَرَث کھیتی کرنا ۔ دوسرا K فاعلی یا وصفی ہے ۔

۳۔ Krish ۔ دُبلا = KRS = HRS = حَرِض دُبلا

۴۔ Camas ۔ گرمی = CMS = HMS = اَحمش آگ کو تیز کرنا

۵۔ Gam ۔ گرمی = GM = HM = حُمّہ ۔ گرمی

۶۔ Karodh ۔ غصہ = KRD = HRD = حَرِد ۔ ناراض غضبناک ۔ آزردہ ۔ غصے سے بھونا ۔ جو کہ انگریزی میں wrath ہو گیا ہے ۔

۷۔ Gachi ۔ گدیلہ = GCH = HCH = حشیّہ گدیلہ ۔ جو کہ انگریزی اور فرینچ میں Coushion ہے

۸۔ Gursi ۔ آگ کی جگہ = GRS = ARS = اَرَّث آگ جلانا ۔ یہ لفظ انگریزی میں arson ہے ۔

(ہندی)

۱۔ چھورا ۔ لڑکا = CHR = AR = عُر ۔ لڑکا

۲۔ کھوہ (گڑھا) KH = HH = هُوَّه ۔ گڑھا

۳۔ گھومنا = GM = HM = حَامَ ۔ ادرگرد پھرنا

۴۔ گھولنا = GL = HL = حَلّ ۔ حل کرنا

۵۔ چھالہ = CHL = HL = حلیٌ ۔ چھنی

۶۔ کھولنا = KL = HL = حَلّ ۔ کھولنا ۔ آزاد کرنا

(فرانسیسی زبان)

۱۔ Cadeau (تحفہ) CD = HD = هَدیه ۔ تحفہ

۲۔ Cousu (سیا ہوا) CS = HS = حَاصَ ۔ سینا

۳۔ Gressage دُبلاپن GRS = HRS = حرِض دُبلا ۔ یہی لفظ سنسکرت میں Krish ہے ۔

۴۔ Gildon (بندر) GBN = HBN = حِبن بندر

(جرمن زبان)

۱۔ Genik ۔ گردن = GNK = ANK = عُنق گردن

۲۔ Gabe ۔ دینا GB = HB = وَهَبَ ۔ عطا کرنا ۔ یہی لفظ انگریزی Give ہے ۔

۳۔ Graf سردار = GRF = ARF ۔ عریف سردار

۴۔ Ganiet مائل شدہ GN = HN = حَنَّ مائل ہونا

۵۔ Glimpf بُردباری (GLM(P = HLM = حِلم ۔ بُردباری

(فارسی)

۱۔ خوش KSH = HSH = هَشّ ۔ خوش ہونا

۲۔ خشک = KSK = HSK = حَسَکَ ۔ کاٹنا

۳۔ خشم (غصہ) KSHM = HSHM = حَشَم ناراض ہونا ۔

۴۔ خُور (لائق) KR = HR = حریٌ ۔ لائق

۵۔ خُور (سورج) KR = HR = حَرّ ۔ گرمی ۔ حرور (سورج کی گرمی) وصف بزنام

۶۔ خیر (حیران) KR = HR = حَارَ ۔ حیران ہونا

۷۔ گسادرن ۔ غم کھانا = KSR = HSR = حَسَر افسوس کرنا ۔

۸۔ کُشتن = KS = HS = حَسّ ۔ قتل کرنا

۹۔ گدر ۔ ہتھیار = GDR = HDR = حِذر ہتھیار

۱۰۔ خورسند = KRS = ARS = عَرَس۔ خوش ہونا
(نَد وصفی ہے)

۱۱۔ خنگا۔ موٹا = KNG = ANG = انق۔ موٹا ہونا

۱۲۔ کاغ۔ آگ = KG = AG = آجّ۔ آگ جلانا

۱۳۔ کاکا۔ بھائی = KK = AK = آخ۔ بھائی

۱۴۔ کبیل۔ بےوقوف = KBL = ABL = ابلہ
بےوقوف

۱۵۔ کینہ = KNH = ANH = إحنہ۔ کینہ

۱۶۔ گبر = GBR = HBR = حِبر۔ عالم۔ پادری

۱۷۔ گزیدن = QZ = AZ = عَضّ۔ دانتوں سے
کاٹنا۔

۱۸۔ کچل۔ گنجا = KSL = ASL = اصلع۔ گنجا

(لاطینی)

۱۔ Courses ۔ جلدی کرنا۔ چمکنا CRS(C) =
ARS = عَرَص۔ چُست ہونا۔ چمکنا

۲۔ Caustic جلتا ہوا CS = HS = حَشَا
آگ جلانا۔

۳۔ Caeco اندھا کرنا CC = AC = عَشَا
اندھاپن۔

۴۔ Cetus مچھلی CT = HT = حُوت۔ مچھلی

تلك مائة وامثالها كثيرة جدًّا۔

اِن مثالوں پر نظر غائر ڈالنی چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے کہ حروف کا ابدال اِن میں ایک معیّن اصول کے ماتحت ہوا ہے۔ لیکن یہ ابدال اس قسم کا ہے کہ عربی ماخذ ممسوخ اور مسلوخ ہو کر گویا ایک نیا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اِن ہر دو اصولوں میں خصوصاً اور دیگر غار مولوں میں عموماً لفظ کی ظاہری آواز سے ماخذ کی شناخت نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ دلیل اور اصول سے عربی ماخذ قائم اور دستیاب ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک مُرغِ سحر کے پر و بال نوچ لیے جائیں تو وہ ایک لوتھڑا ہے جس کی آواز قائم نہیں رہے گی۔ اور جب اسے پر و بال واپس ملیں گے تو وہ عربی لہجے پر قائم اور استوار ہو جائے گا۔ بوریا دیبا اور زشت زیبا اور زنگی آئینہ سیما بن جائے گا۔

مندرجہ صدر دو فارمولوں کے بعض پہلو ابھی بیان نہیں ہوئے لیکن سوچنے اور غور کرنے کے لیے بہت سے نظری اور عملی پہلو بیان ہو چکے ہیں۔

واختلاف السنتكم والوانكم ان في ذلك لاٰيٰتٍ للعٰلمين ۝

(باقی آئندہ)

تبصرہ

"تاریخ القرآن"

حضرت عرفانی الاسدی اُن اہلِ قلم اصحاب میں سے ہیں جن کے عزم کو بڑھاپا، غریب الوطنی اور مالی تنگی کمزور نہیں کر سکتے ہیں۔ ایسے مقدس لوگ ہر حال میں اپنے نصب العین کے لئے مجاہدانہ سعی و عمل میں مصروف رہتے ہیں۔ آپ کی تازہ ترین تصنیف "تاریخ القرآن" حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔

یہ کتاب بڑے حجم کے دو صد صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں قرآن مجید کی تاریخ پر عالمانہ بحث کی گئی ہے اور جگہ جگہ مستشرقین اور دوسرے مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مقصد کے بارے میں واجب الاحترام مصنف دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

"تاریخ القرآن لکھنے سے میرا یہ مقصد نہیں اور نہ میرے لئے یہ ممکن ہے کہ بطور ڈائری کے تاریخ وار بیان کروں کہ قرآن کریم کی یہ آیت یا وہ سورت اِس یا اُس تاریخ یا دن کو نازل ہوئی تھی۔ اگر ہم یہ معلوم بھی کر لیں تو بھی اس سے عملی زندگی میں کوئی خوبی اور کمالِ تزکیہ کا پیدا ہو نہیں سکتا جو نزولِ قرآن کی علتِ غائی ہے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض ائمہ سلف جیسے حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نزولِ آیات کے مقامات و اوقات وغیرہ پر ۱۲ انواع قائم کئے ہیں اور ان کی تفصیل سے اس محنت اور کاوش کا صرف اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے برداشت کی۔

میرا مقصد مستشرقین کے مغالطہ افزا حملوں پر تنقیدی نظر کر کے قرآن کریم کی عظمت کا اظہار ہے۔ وہ اپنے طرزِ بیان سے محقق اور انصاف پسند نظر آتے ہیں اور اپنے قلوب میں قرآن کریم کے متعلق ایک علمی تحقیقات کا جذبہ ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ

اسلام کے دشمن ہیں

انہوں نے مختلف رنگوں میں اسلام پر حملے کئے ہیں اس کے متعلق ایک تاریخی بحث اصل کتاب میں انشاء اللہ کروں گا"

ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ اِس رسالہ میں حضرت عرفانی نے اپنے اِس مقصد کو بڑی حد تک پورا کر دیا ہے اور اس طرح سے زمانہ حاضر کی ضرورت پر ایک رہنما کتاب پیش کر دی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

یہ کتاب مکتبہ الفرقان ربوہ سے بھی بہتر میں حاصل کی جا سکتی ہے!

(ایڈیٹر)

کہ حملہ آور کو صرف قابو کیا جائے لیکن اسے مارا نہ جائے۔ یہ حملہ ناگہانی اور اچانک تھا اور جونہی نمازیوں کو اس کا پتہ لگا ان میں سے چند دوست لپک کر حضور کے پاس پہنچے اور کچھ احباب نے حملہ آور کو گرفتار کرنے کی سعی کی۔ اس افراتفری اور انتہائی غم و غصہ کی حالت کے باوجود یہ صرف جماعت احمدیہ کی اخلاقی قوت اور اپنے امام ہمام ایدہ اللہ بنصرہ کے ارشادات کی تکمیل کے جذبہ کا ہی نتیجہ تھا کہ حملہ آور محفوظ حالت میں فوراً حوالۂ پولیس کر دیا گیا۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ پر حملہ کی خبر بجلی کی طرح ربوہ میں پھیل گئی اور ہر گھر میں رنج و الم کی لہر دوڑ گئی۔ سینکڑوں احمدی احاطہ مسجد مبارک میں جمع ہو گئے اور ہر ایک حضور ایدہ اللہ بنصرہ کی حالت معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب اس دن مغرب کی نماز پڑھائی گئی تو ساری مسجد میں گریہ وزاری اور خشوع و خضوع کا ایک غیر معمولی عالم تھا اور اس قدر عجز و بکا سے دعائیں کی گئیں کہ ان کا عرش خداوندی تک پہنچنا یقینی تھا۔ دعاؤں کا یہ سلسلہ تمام مساجد میں جاری رہا اور جاری ہے۔

دشمن کے اس خطرناک حملہ کی خبر تاروں، ریڈیو، اخبارات اور خطوط کے ذریعہ پاکستان اور بیرونی دُنیا میں فوراً پھیل گئی اور دُنیا بھر میں پھیلی ہوئی جماعتوں کو اطلاع دی گئی۔ ہر جگہ کے احمدی احباب اپنے پیارے امام کی زندگی پر اس کمینہ حملہ سے بیتاب ہو گئے اور ہر شخص نے کرب و فغاں کے ساتھ حضور ایدہ اللہ بنصرہ کی سلامتی اور درازیٔ عمر کے لئے بارگاہِ ایزدی میں دُعا کی۔ دنیا کے کونہ کونہ سے حضور کی خیریت دریافت کرنے کے لئے تاروں کا تانتا بندھ گیا اور ہر چھوٹے بڑے شہر و قصبہ سے احمدی دیوانہ وار اپنے امام کی عافیت معلوم کرنے کے لئے ربوہ پہنچنے شروع ہو گئے۔ کوئی قابلِ ذکر آباد علاقہ ایسا نہ تھا جہاں کے لوگ والہانہ انداز سے قصرِ خلافت کے ارد گرد نظر نہ آتے ہوں اور حضور ایدہ اللہ بنصرہ کو ایک نظر دیکھنے کیلئے مضطرب اور بیتاب نہ ہوں۔ آجکل گریاں آنکھوں اور بریاں دلوں کے ساتھ ہر احمدی کے لب پر یہی تذکرہ جاری ہے اور ہر دل سے یہی پکار اُٹھ رہی ہے کہ اے شافیٔ مطلق خدا! تو ہمارے امام کو جلد صحتِ کاملہ عطا فرما اور آئندہ ہر طرح حافظ و ناصر ہو۔ آمین

۱۴ مارچ کا دن خلافتِ ثانیہ کے انتخاب کا دن ہے اس مرتبہ ۱۴ مارچ کو یومِ خلافت کی تقریب پر نیز خلافتِ ثانیہ کے بابرکت عہد کے چالیس سال پورے ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکرانہ ادا کرنے اور خلافت کی اہمیت و برکات کے تذکرہ کیلئے جو عظیم الشان جلسہ مسجد مبارک میں منعقد ہوا اس میں جب اجتماعی دُعا ہوئی تو مردوں، عورتوں اور بچوں نے آہ و فغاں اور خشوع و خضوع سے اپنے امام کی شفایابی اور درازیٔ عمر کیلئے نہایت دردمندانہ دعائیں کیں۔ چونکہ ابھی حضور کا زخم مندمل ہو رہا ہے اور اسکے اثرات آہستہ آہستہ دُور ہوں گے اور اس دَوران میں زخم وغیرہ کے نتیجہ میں بعض اور جسمانی عوارض بھی پیدا ہو سکتے ہیں اسلئے تمام احباب کو خاص دُعاؤں کے سلسلہ کو جاری رکھنا چاہیئے۔

یہ واقعہ دُنیا بھر میں پھیلی ہوئی امن پسند جماعت احمدیہ کے لئے نہایت دلخراش واقعہ ہونے کے علاوہ منکرینِ اسلام کی نگاہوں میں اسلام کو بدنام کرنیوالا ہے نیز بیرونی ممالک کے لوگوں کی نظر میں پاکستان کیلئے بھی باعثِ بدنامی ہے اسلئے اس ناپاک اور بزدلانہ حملہ کی ہر طبقہ و ہر خیال کے شریف انسانوں نے مذمت کی ہے (گو گندی ذہنیت والے لوگ بیہودہ گوئی کرتے اور خوشی مناتے ہوئے بھی سُنے اور دیکھے گئے ہیں) اور اس قسم کے کمینہ اقدام کے قرار واقعی انسداد کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم فی الحال دوسری جگہ اخبارات کے بعض اقتباسات درج کر رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس زہر کے رکنے اور اس قسم کے اقدامات کے

اعادہ کو ناممکن بنانے کیلئے ازبس ضروری ہے کہ حکومت پوری توجہ اور زبردست عزم کے ساتھ اس حملہ کے پیچھے چھپی ہوئی باتوں کا انکشاف کرے۔ یہ حملہ اپنے حالات کے لحاظ سے ایک سوچی سمجھی ہوئی سازش نظر آتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کے ارباب حل و عقد کو صحیح طور پر کام کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

اسلام کے دَور اوّل میں آج سے ٹھیک ساڑھے تیرہ سو سال قبل ذوالحجہ ۲۳ ہجری میں حضرت سرورِ کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ حضرت امیر المومنین فاروق اکبر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر ایک بدبخت نے مسجد میں نماز کے وقت خنجر سے حملہ کیا تھا اور اب رجب ۱۳۷۳ھ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ دوم حضرت فضل عمر میرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز پر ایک نادان دشمن نے مسجد میں نماز سے فارغ ہوتے ہی چاقو سے حملہ کیا ہے۔

ہمارے اولوالعزم امام ایدہ اللہ بنصرہ نے زخمی ہونے کے بعد ۱۰ مارچ کی رات کو جو پہلا پیغام جماعت کو دیا وہ یہ ہے حضور تحریر فرماتے ہیں:-

"برادران! آپ سن چکے ہوں گے کہ مجھ پر ایک نادان دشمن نے حملہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی آنکھیں کھولے اور اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان پر جو فرض عائد ہوتا ہے اسے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

برادران! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اگر میرا وقت آپہنچا ہے تو وہ میری روح کو تسکین عطا کرے اور اپنی رحمت نازل فرمائے۔ نیز یہ بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ لوگوں کو ایسا رہنما عطا فرمائے جو اس کام کیلئے مجھ سے زیادہ موزوں ہو۔ میں ہمیشہ آپ سے اپنی بیویوں اور بچوں سے بھی زیادہ محبت کرتا رہا ہوں اور اسلام اور احمدیت کی خاطر اپنے ہر قریبی اور ہر عزیز کو قربان کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہا ہوں میں آپ سے اور آپ کی آنیوالی نسلوں سے بھی توقع رکھتا ہوں کہ آپ بھی ہمیشہ اسی طرح عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ والسلام ۔ مرزا محمود احمد"

اس پیغام کا ایک ایک لفظ اس یقین اور توکل کو واضح کر رہا ہے جو حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ برگزیدہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر کتنا اعتماد ہوتا ہے۔ پھر اس سے یہ بھی عیاں ہے کہ آپ کو اپنی جماعت سے کتنی محبت ہے اور اس کی ترقی اور بہبودی کا آپ کو کتنا خیال ہے۔

اس شفقت بھرے پیغام کا جواب کیا ہے؟ ہر احمدی اپنے دل سے اس کا جواب پوچھے۔ ہمارے نزدیک اس محبت کا ایک ہی جواب ہے جیسا کہ حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "خیار ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم وتصلون علیهم ویصلون علیکم" (مشکوٰۃ ص۳۱۹ بروایت صحیح مسلم) کہ بہترین امام وہ ہیں جن کو تم دلی محبت کرتے ہو اور وہ تم کو دلی محبت کرتے ہیں۔ تم ان کیلئے دردمندانہ دعائیں کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے دردمندانہ دعائیں کرتے ہیں۔

بھائیو! آج ہم مظلوم ہیں۔ ساری دنیا میں اسلام کی اشاعت کا اہم کام ہمارے ذمہ ہے اور ہماری بیکسی کا یہ عالم ہے جو عیاں ہے۔ ان حالات میں ایک ہی چارہ کار ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں
جز دعائے بامداد و گریۂ اسحار نیست

(بقیہ ص) تبلیغ کیلئے بجائے قادیانیوں نے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کا اور کوئی طبقہ بھی نہیں کر سکا۔ برلن، لندن اور واشنگٹن میں ہر جگہ آپ کو قادیانی مسجدیں ملیں گی۔ [illegible] میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں کئی ہزار مسلمان ایسے ہیں جو نسل کے لحاظ سے حبشی نیگرو ہیں۔ قادیانیوں نے جب دیکھا کہ امریکہ کے نیگرو امتیاز سے تنگ ہیں تو انہیں مسلمان ہوجانے کی ترغیب دی چنانچہ اب باقاعدہ مسلمان ہیں" (آپ کا [illegible] ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء)